تیرے قول و قرار سے پہلے

نادیہ احمد

ناول

نادیہ احمد

تیرے قول و قرار سے پہلے

دروازے پہ ہونے والی ہلکی سی دستک کو نظر انداز کر کے وہ اپنے کام میں مگن تھی۔ دوسری بار دروازہ نسبتاً زور سے بجایا گیا، چوڑی پیشانی پہ ناگواری کی شکن ابھری اور اس کے متحرک ہاتھ رک گئے۔ لیپ ٹاپ بیڈ پہ رکھے، بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ اپنے کام میں محو تھی۔ اسکے نوٹس پاس ہی بکھرے تھے۔ سفید رنگ کی پوری آستین کی فراک نما قمیض پہنے، جس پہ نفیس کڑھائی اور کروشیا کا کام تھا اور ہم رنگ پائجامہ جس کی چوڑی بس تین، چار انچ ہی نظر آرہی تھی کیونکہ قمیض کی لمبائی ٹخنوں سے ذرا اونچی تھی۔ بالوں کو بے ترتیبی سے اکٹھا کر کے کیچر میں عجلت میں جکڑا گیا تھا۔ ایک پل کو اس نے وال کلاک کی طرف نظر گھمائی۔

دس بج کر اٹھارہ منٹ، وہ زیر لب بڑبڑائی

آجائیں۔ لہجے میں بلا کی بیزاری تھی

ادھیڑ عمر ملازمہ کمرے کا دروازہ کھول کر داخل ہوئی۔

ایمان بی بی۔ آپ کو صاحب نے اپنے کمرے میں بلایا ہے، ہاجرہ اماں نے پیغام پہنچایا

اسوقت۔ نظر اس بار لیپ ٹاپ اسکرین کی دائیں جانب مڑی

میں یہ اسائنمنٹ ۔۔۔ آپ چلیں، میں آرہی ہوں ۔ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس نے کہا

اپنے نوٹس بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ رکھنے کے بعد اس نے اپنے کیچر میں لپٹے بے ترتیب بالوں کو آزاد کیا

کمر سے ذرا اوپر آتے ریشمی بھورے بال جن میں سنہرے اسٹریک جگمگا رہے تھے، بالوں کو برش سے درست کرتی وہ کمرے سے باہر نکل گئی،

اسکا کمرہ فرسٹ فلور پہ تھا، خوبصورت سجے کوریڈور سے گزرتی وہ سیڑھیوں تک آئی اور سیڑھیوں کی بیش قیمت آرائشی ریلنگ تھامے نپے تلے قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگی ۔ سیڑھیاں ہال نما کمرے میں آتی تھیں ۔

کوریڈور میں بائیں جانب مڑی اور پہلے دروازے پہ ہلکی سی دستک دی ۔

آجاؤ ایمان ۔ مردانہ بھاری آواز نے نرم لہجے میں اجازت دی تھی ۔ اجازت پا کر وہ اندر داخل ہوئی ۔

کنگ سائز بیڈ پہ پاؤں پسارے توفیق کمال بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، سامنے کی دیوار پہ بڑی سی ایل ای ڈی سکرین پہ کوئی نیوز چینل لگا تھا جس کا ریموٹ اسوقت انکے ہاتھ میں تھا ۔

آپ نے بلایا ڈیڈا، ایمان نے دائیں طرف رکھے صوفے پہ حرا کے ساتھ بیٹھتے پوچھا ۔

توفیق کمال نے ریموٹ سے ٹی وی کی آواز آہستہ کرتے سر ہلایا ۔

سوتو نہیں رہی تھی؟ حرا نے ایمان کے ریشمی بالوں میں انگلیاں چلاتے محبت سے پوچھا

نہیں ممی، ایک اسائنمنٹ بنا رہی ہوں ۔ صبح فرسٹ ٹائم میں جمع کروانی ہے، کچھ ٹائپنگ اور پرنٹنگ کا کام رہتا ہے ۔ ایمان نے وضاحت کی ۔

پھر تو ہم نے آپ کو ڈسٹرب کیا؟ توفیق کمال کے لہجے میں وہ شیرینی تھی جو ہر بار ایمان کے لئے ان کے لفظوں میں ہوتی تھی ۔

ایمان نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا ۔ حالانکہ اسوقت وہ کافی الجھی ہوئی تھی، جب بھی توفیق کمال کے کمرے میں آنا ہوا اکثر وہ بہن بھائی اکٹھے جمع ہوتے یا پھر وہ لونگ روم میں ہی سب باتیں کرتے تھے، وہ تینوں بھائی، بہن اپنے باپ کے بہت قریب تھے اور توفیق کمال اپنے بچوں سے فارمل تو بالکل نہیں تھے ۔

ایمان پرسوں لنچ ٹائم سے پہلے گھر آجانا بچے ۔ حرا نے اسکا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا ۔

ممی آپ کو پتا ہے نہ میری organizational Behavior کی کلاس ہفتے کو دو بجے شروع ہوتی ہے۔ اور ہفتے کو میں ساڑھے تین سے پہلے گھر آ ہی نہیں سکتی۔ اس نے ماں کو یاد دلایا۔

دراصل آج جہانزیب لندن سے واپس آ گیا ہے۔ میں نے اور تمھاری مما نے سوچا خود ملنے جانے کی بجائے سکندر بھائی کی فیملی کو لنچ پہ انوائٹ کر لیتے ہیں۔ توفیق کمال نے کہا

میں پرسوں 12 بجے تک گھر آ جاؤں گی، ایمان جانتی تھی آگے کچھ کہنا بے معنی ہے۔

میں اب جاؤں ڈیڈا، میری اسائنمنٹ ابھی باقی ہے۔ رکنا فضول تھا اسلئے اجازت طلب کی

توفیق کمال بھی شائد بات پوری کر چکے تھے اس لئے مسکرا کر بیٹی کو اجازت دی

گڈ نائٹ ممی۔ گڈ نائٹ ڈیڈا۔ مسکرا کر شب بخیر کہتے وہ تیز قدموں سے چلتی اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

لان میں اسوقت دو بلب جل رہے تھے، قیمتی آرائشی پتھروں سے بنی مصنوئی آبشار سے پانی بہہ رہا تھا اور نیچے پتھروں سے بنے حوض میں جمع ہو رہا تھا۔ اسی جمع ہوتے پانی میں نسبتا دائیں طرف ایک فوارہ نصب تھا، لان میں اسوقت خاموشی کا راج تھا، بلبوں کی مدہم روشنی میں سبز گھاس کی رنگت سیاہی مائل تھی۔ لان کی لینڈ اسکیپنگ کچھ اس انداز سے کروائی گئی تھی کے اس پہ کسی جاپانی باغ کا گمان ہوتا تھا، لان میں لگے موسمی اور بے موسمی پودوں کی ترتیب اتنے منظم انداز میں کی گئی تھی کہ وہ کسی تصویر کا گمان دیتے تھے۔

کچھ دیر پہلے ایمان نے اپنے اسائنمنٹ کی فائل کو پرنٹ کر کے اپنے کالج کے بیگ میں رکھا تھا اور اب اپنے کمرے کی فرنچ ونڈو سے لان میں بہتی آبشار کو دیکھ رہی تھی۔ منظر اسکی کمزوری تھے اور اس کمرے کا انتخاب بھی اس نے اس منظر پہ کھلتی اپنے کمرے کی قد آدم کھڑکی کی وجہ سے کیا تھا۔ بارہ کب کے بج چکے تھے۔

تو جہانزیب سکندر پاکستان آ گیا۔ اس نے زیر لب کہا۔ اس نام نے دل میں کوئی ارتعاش پیدا نہیں کیا تھا۔

کھڑکی کے پردے ڈوری سے بند کر کے وہ ٹائلوں والے خوبصورت فرش پہ ننگے پاؤں چلتی اپنے بیڈ تک آئی۔ کمرے کے فرش پہ دو قیمتی قالین بچھے تھے، انہی رنگوں کی آمیزش لئے پردے کھڑکیوں پہ ڈلے تھے اور انہی رنگوں کی مناسبت سے کمرے کا فرنیچر جو کافی قیمتی مگر مختصر تھا۔ ایمان کا کمرہ اس عالیشان گھر کا ماسٹر بیڈ تھا جو ایمان

کی خواہش پہ توفیق کمال نے اسکے حوالے کردیا تھا، اس کمرے کا انٹیریئر ایمان نے کیا تھا اور اس کمرے میں معمولی سی ردوبدل بھی اسے گوارہ نہ تھی۔

بیڈ پہ پاؤں اوپر کیئے وہ آدھی لیٹی اور آدھی بیٹھی تھی۔ نیند آنکھوں سے میلوں دور تھی، وہ سونا چاہتی تھی لیکن ذہن ماؤف تھا۔ عجیب اضطرابی کیفیت تھی۔ وہ خود نہیں جانتی تھی وہ کس بات سے ڈسٹرب ہے سب کچھ تو طے تھا پھر یہ بے چینی کیوں؟ یا پھر اسے معلوم تھا۔

ہلکے کاسنی اور جامنی رنگ کے پرنٹڈ شیفون کے کرتے پہ نفیس کڑھائی بنی تھی، جامنی ٹراؤزر اور ہم رنگ دوپٹے میں اسکے ریشمی بال سردیوں کی دھوپ کی مانند کھلے تھے، اسکے بالوں کے رنگ اسکی گوری رنگت کو چار چاند لگاتے تھے۔

ناشتے کی ٹیبل پہ سب لوگ جمع تھے۔ ایمان ناشتہ ٹھیک سے کر و جانی۔ حرا کی آواز پہ چائے کا گھونٹ بھرتی ایمان نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

ممی اسوقت کچھ کھانے کا موڈ نہیں، مجھے اتنی نیند آرہی ہے کہ اگر اسائینمنٹ جمع نہ کروانی ہوتی تو میں آج کالج ضرور مس کرلیتی۔ حرا کے استفسار پہ اس نے التجائیہ کہا۔

توفیق کمال نے بھی ناشتے سے سر اٹھا کر بیٹی کو پیار بھری نظروں سے دیکھا اور دوبارہ ناشتے میں محو ہو گئے

اسائینمنٹ لاسٹ منٹ تک سنبھالنا تو آپ کا محبوب مشغلہ ہے مائی ڈیئر سس۔ ضعیم کمال ایسے معاملات میں بولنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

وہ ایمان سے دو سال بڑا تھا اور بی اے کے چوتھے سال میں تھا اسکے بعد اپنے بڑے بھائی کی طرح اسے بھی بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کیلیے جانا تھا۔

بھائی میں لاسٹ منٹ تک اپنے کام سے مطمئن نہیں ہوتی اور اس کو بہتر بنانے کیلیے اس میں ردوبدل کرتی رہتی ہوں۔ ایمان نے متاثر کرنے کیلیے کہا۔

جی جی۔ جب وقت پہ کام نہ کر پاؤ تو اچھا بہانہ ہے یہ۔ ضعیم نے شرارت سے کہا۔ اسے ایمان کو چڑانے میں مزا آتا تھا۔

بھائی آپ۔۔۔اپنے لفظ ادھورے چھوڑ کر ایمان نے جانے میں عافیت سمجھی، وہ جانتی تھی وہ ضعیم سے جیت نہیں سکتی۔

بائے ممی۔بائے ڈیڈا۔ایمان نے تیزی سے صدر دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

ایمان جب چھوٹی تھی تو اسکے بھائی اسے ڈیڈی کہنا سکھاتے تھے اور وہ ڈیڈا بولنے لگی جوان دونوں کو اتنا پسند آیا کہ پھر ایمان نے توفیق کمال کو ہمیشہ ڈیڈا کہہ کر ہی بلایا۔توفیق کمال کو اپنی لاڈلی بیٹی کی زبان سے نکلے سب لفظ اچھے لگتے تھے۔

آپ ہی کہہ دیتے، میری بات کی تو اہمیت ہی نہیں۔حرا نے گلہ کیا

اب موڈ نہیں تو زبردستی کیا کرنی۔توفیق کمال نے انہیں سمجھایا

یہ سب آپ کے لاڈ پیار ہیں۔حرا نے شکایتی نظروں سے میاں کو دیکھا

حالانکہ ایمان میں انکی جان تھی لیکن جہاں وہ انکی بات کو نظرانداز کرتی وہ اچھی بیویوں کی طرح سارا الزام خاوند پہ ڈال دیتیں۔

عمر کہاں ہے؟ توفیق کمال نے حرا کی بات کو نظرانداز کر کے سوال کیا

آج صبح جلدی نکل گیا تھا کہہ رہا تھا بہت ضروری میٹنگ ہے۔حرا نے سلائس پہ مکھن لگاتے ہوئے کہا۔

آں ہاں۔چلو میں بھی چلوں، کچھ سوچتے ہوئے توفیق کمال بولے۔

پھر حرا اور ضعیم کو اللہ حافظ کہتے وہ بھی دفتر نکل گئے۔

ضعیم گھر سے نکلنے والا آخری فرد تھا اسکی پہلی کلاس آج گیارہ بجے تھی۔

☆......☆......☆

سیاہ کوٹ بیڈ پہ پھینک کر وہ نزدیکی صوفے پہ بیٹھ گیا۔گرے اور سفید لائن والی ڈریس شرٹ کی آستینیں فولڈ تھیں، گرے اور بلیک سلک ٹائی کی ناٹ دائیں ہاتھ سے ڈھیلی کرتے اس نے بایاں ہاتھ کافی ٹیبل پہ پڑے ریموٹ کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ اسکا موبائل بج اٹھا۔

موبائل کی سکرین پہ چمکتے نام کو دیکھ کر اس کی بھوری آنکھوں میں چمک ابھری

اسلام علیکم پاپا۔اس کے لہجے میں بشاشت تھی

وعلیکم اسلام ۔لہجہ ہمیشہ کی طرح سنجیدہ اور خوبصورت تھا

کیسے ہیں آپ۔وہ پرجوش بولا

میں ٹھیک ہوں اور تم سے ایک اہم بات کرنے کیلئے فون کیا ہے،تم گھر آ گئے ہو نا جہانزیب؟ سکندر ملک نے استفسار کیا۔

جی بس ابھی پہنچا ہوں۔جہانزیب نے کہا

میں نے تمھاری دو دن بعد کی سیٹ کنفرم کروادی ہے جہانزیب، میرا اور طیبہ کا خیال ہے اب تمہیں مزید لندن میں رہنے کی ضرورت نہیں ہے ویسے تو ایمان کا یہ چوتھا سمسٹر ہے لیکن اپنی باقی کی تعلیم وہ شادی کے بعد بھی مکمل کرسکتی ہے۔سکندر ملک نے بغیر رکے اپنی بات کہی۔

،اپنے ڈارک براؤن گھنگریالے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اس نے خود کو کمپوز کیا۔اسکی چوڑی پیشانی پہ بل واضح پڑ گئے۔

پاپا،ایسے اچانک سے مجھے انفارم کیئے بغیر آپ نے میری سیٹ کنفرم کروادی ہے مجھے اپنے کام تو وائنڈ اپ کرنے دیتے۔جہانزیب نے شکوہ کیا

میرا خیال ہے کام ہوتے رہیں گے،ابھی تمھارا پاکستان آنا زیادہ ضروری ہے۔سکندر ملک نے اسے مختصر الفاظ میں ساری بات سمجھا کے فون بند کردیا

جہانزیب محض لب کاٹتا رہ گیا۔لیکن اب اسے واپسی کی تیاری کرنی تھی

وہ بدھ کو پاکستان واپس جا رہا تھا۔

توفیق کمال کوئی جدی پشتی رئیسوں میں سے نہیں تھے،فیصل آباد کے متوسط کاروباری گھرانے سے انکا تعلق تھا،اچھے کھاتے پیتے لوگ تھے،کپڑے کی ایک مل اور آبائی مکان انکا کل اثاثہ تھا۔

حرا جیسی نفیس طبیعت کی مالک شریک حیات اور تین پیارے بچے۔عمر،ضعیم اور ایمان۔عمر،ضعیم سے چار سال اور ایمان سے چھ سال بڑا تھا۔

توفیق کمال کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے محنت، ایمانداری اور لگن سے کامیابی کو خود پہ حلال کر لیا تھا۔ ایمان دو سال کی تھی جب ایک شام اپنے کسی کاروباری دوست کے بھائی کی شادی میں شرکت کیلئے وہ لاہور آئے جہاں انکی ملاقات سکندر ملک سے ہوئی۔

سکندر ملک کا شمار کسی تعارف کا محتاج نہ تھا، وہ ایک ایسے خاندانی رئیس تھے جن کے پیچھے دولت اور عزت کی دیویاں ہاتھ باندھے کھڑی ہوتی ہیں۔

سکندر ملک اور توفیق کمال کی یہ چھوٹی سی ملاقات دیرپا دوستی میں کیسے بدلی اس میں زیادہ حصہ سکندر ملک کی سحر انگیز شخصیت اور انکساری کا تھا۔ توفیق کمال، سکندر ملک کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے تھے، انکی قد آور شخصیت اور انکی عاجزی کی۔

اور **Raw Material** سکندر ملک کو اگر فارماسیوٹکل کنگ کہا جاتا تو یہ ہرگز مبالغہ نہ تھا۔

مینوفیکچرنگ اور پروڈکشن میں جے اینڈ ایس فارماسیوٹیکل کا نام کسی تعارف کا محتاج نہ **API**
تھا۔ مشہور ملٹی نیشنل کمپنیوں کو خام ادویات کی فراہمی جے اینڈ ایس فارماسیوٹیکل سے کی جاتی تھی۔

توفیق کمال اور سکندر ملک کی دوستی کی باقاعدہ شروعات اس دن ہوئی جب انکی ایک مشین پہ کسٹم اور ایکسپورٹ معاملات کے سلسلے میں توفیق کمال لاہور کچہری گئے ہوئے تھے اور سکندر ملک اسوقت اپنے وکیل کے ساتھ اسی احاطے میں موجود تھے، گفتگو کے دوران پتا چلا کہ سکندر ملک کچھ ادویات کی کسٹم کلیرنس کے سلسلے میں وہاں آئے تھے جن کی درآمدی لائسنسنگ پہ حکومت کو کچھ تحفظات تھے۔ اسوقت تو دونوں ہی اپنی مصروفیت کے باعث زیادہ بات چیت نہ کر سکے مگر اس ملاقات کے اختتام پہ سکندر ملک نے توفیق کمال کو اپنے گھر انوائٹ کیا تھا اور توفیق کمال نے اس دعوت کو بخوشی قبول کیا تھا۔

جمعے کو وہ اپنی فیملی کے ساتھ سکندر ملک کے گھر پر تھے، طیبہ بھابھی اپنے شوہر سے بھی زیادہ پر خلوص خاتون تھیں انکی فیملی جلد بے تکلف ہو گئی تھی۔ جہانزیب، سکندر ملک کا اکلوتا بیٹا تھا، شادی کے بعد کئی سال انہیں اولاد نہ ہوئی اور پھر بیرون ملک علاج کے بعد جہانزیب کی پیدائش ہوئی مگر آٹھ سالہ جہانزیب کے بعد ان کے گھر دوبارہ اولاد نہ ہو سکی۔

میں آپ کے ساتھ مشترکہ کاروبار میں دلچسپی رکھتا ہوں توفیق صاحب۔سکندر ملک کی بات توفیق کمال کے لئے حیران کن تھی۔توفیق کمال اور سکندر ملک اسٹڈی میں اسوقت کافی پی رہے تھے جب سکندر ملک نے انہیں اپنے ساتھ کام کی آفر کی

لیکن میرا فارماسوٹیکل کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔توفیق کمال نے خوش اخلاقی سے کہا تھا

تجربہ تو میرا نہیں ٹیکسٹائل کا توفیق صاحب آپ تو اس فیلڈ میں پچھلے دس سال سے ہیں۔سکندر ملک نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

میں سمجھا نہیں۔توفیق کمال نے کہا

میں دراصل کافی عرصے سے ٹیکسٹائل انڈسٹری کی طرف آنے کا پلان کر رہا تھا،لیکن میرا کوئی تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے میں ایسے قابل اعتبار ساتھی کی تلاش میں تھا جو میری اس فیلڈ میں معاونت کرے۔سکندر ملک نے وضاحت کی تھی

لیکن سکندر صاحب میرا تجربہ ایک چھوٹے کاروبار کا ہے اور آپ کی اس سلسلے میں میں کیا رہنمائی کر سکوں گا۔توفیق کمال نے سنجیدگی سے کہا تھا

توفیق کمال، مجھے آپ میں وہ اعتماد اور سنجیدگی نظر آتی ہے جو کسی بھی شراکتی کاروبار کا لازمی عنصر ہے۔

یہ میری خوش قسمتی ہوگی اگر سکندر ملک جیسا بزنس ٹائیکون مجھے قابل بھروسہ جانے۔توفیق کمال کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پہ مسکراہٹ تھی

اور پھر سکندر ملک کے کثیر سرمائے اور توفیق کمال کے تجربے سے سکندر۔کمال ٹیکسٹائل انڈسٹریز کی بنیاد رکھی گئی۔کاٹن مل سے شروع کیا جانے والا یہ پروجیکٹ آج پوری دنیا میں بہترین کاٹن پروڈکٹس کی ایکسپورٹ میں اول الذکر اور معیار کی ضمانت تھا۔ہوزری، بیڈنگ، کاٹن اور پھر دنیا بھر میں بڑھتی لان کی مانگ کے بعد ملک کے نامی گرامی ڈیزائنرز کے ساتھ مل کر ڈیزائنر لان کی کئی برانڈز مارکیٹ میں آچکی تھیں۔انکا کاروبار اور دوستی ساتھ ساتھ بڑھتے جا رہے تھے۔

توفیق کمال کی محنت، ایمانداری اور قدرت کی مہربانی نے سکندر ملک کی نظروں میں ان کا مقام قابل عزت

کر دیا تھا، اپنی فیملی کے ساتھ لاہور شفٹ ہوئے تو ماڈل ٹاؤن میں سکندر ملک کی رہائش سے نزدیک ہی ایک گھر خرید لیا۔ ایمان کی بارہویں سالگرہ بڑے دھام دھام سے کمال ہاؤس میں منائی گئی اور اسی دن سکندر ملک سے ان کی دوستی، کاروباری شراکت سے بڑھ کر رشتے داری میں تبدیل ہو گئی۔

ان دنوں جہانزیب سکندر ایچی سن کالج سے اے لیول میں کامیابی کے بعد لندن سکول آف اکنامکس سے گریجویشن کی تیاریوں میں لگا تھا، اسکا ایڈمیشن اور رہائش کے معاملات مکمل ہو چکے تھے۔ وہ نہ صرف غیر معمولی ذہین تھا بلکہ انتہائی مہذب اور فرمانبردار لڑکا تھا اور سکندر ملک کے فیصلے پہ اس نے کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ ایمان جہاں توفیق کمال کی آنکھ کا تارا تھی وہیں جہانزیب، سکندر ملک کا غرور۔ یہ رشتہ دونوں خاندانوں کو قریب لے آیا تھا اور ان کے وقار میں اضافے کا باعث بنا تھا۔ سکندر۔ کمال ٹیکسٹائل کی ساکھ پہلے سے کئی گناہ بڑھ گئی تھی۔

جہانزیب کے لندن جانے سے پہلے اسکا نکاح ایمان سے کر دیا گیا تھا۔ ایمان ان دنوں محض آٹھویں گریڈ میں تھی لیکن سکندر ملک کو نہ کہنا توفیق کمال کے لئے ممکن نہ تھا وجہ کاروباری نہیں تھی۔ بلکہ توفیق کمال ان کی اپنے بڑے بھائی جیسی عزت کرتے تھے۔

طیبہ، جہانزیب کے ساتھ ہی لندن منتقل ہو گئی تھیں کیونکہ جے اینڈ ایس فارما کا دفتر بھی لندن میں تھا اور سکندر ملک اکثر وہاں آتے جاتے رہتے تھے اور ویسے بھی اکلوتے بیٹے سے دور رہنا انہیں منظور نہ تھا۔ بے واٹر میں اتیج ویئر روڈ پر، جہاں زیادہ تر عربوں کے عالیشان مکانات تھے، سکندر ملک نے ایک ولا خرید لیا تھا۔ سینٹرل لندن میں رہائش کی بڑی وجہ ایل ایس ای سے نزدیک ہونا تھا ورنہ لندن میں بھی دنیا کے تمام بڑے شہروں کی طرح ٹریفک کے مسائل عروج پر تھے۔ سکندر اور طیبہ نہیں چاہتے تھے ٹریفک سے تنگ آ کر جہانزیب ہوسٹل کو ترجیح دے۔

☆......☆......☆

کمرے میں اے سی کی ٹھنڈک تھی لیکن وہ پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔ اسکے جسم میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی شائد وہ اب تک اسی خواب کے زیر اثر تھی۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا، اس نے جلدی سے سائیڈ لیمپ کا بٹن دبایا۔ کمرے میں لیمپ کی دودھیا روشنی بکھر گئی۔ اچانک روشنی سے اسکی آنکھیں چندھیا گئیں، چند لمحے لگے اور پھر ہر

منظر صاف ہوگیا۔وہ اپنے کمرے میں تھی اور صبح کے چار بج رہے تھے۔اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔

ایک بار پھر اسے اس خواب نے بے تحاشہ ڈرادیا تھا۔

بیڈ کراؤن سے سر ٹکا کے وہ آنکھیں موندھے بیٹھی تھی،اسے پہلے بھی وقفے وقفے سے یہ خواب پریشان کرتا تھا اور آج بھی اس نے سب کچھ اسی سیکوینس میں دیکھا تھا۔

اسکے گھرے سیاہ اور سلکی بال اسٹائل سے ماتھے پہ بکھرے تھے،اسکی پیشانی چوڑی تھی،اسکی رنگت صاف تھی۔اسکی آنکھیں اس کے چہرے کا شائد سب سے دلکش حصہ تھیں۔یہ اسلیئے بھی کیونکہ وہ آج تک اسکا چہرہ نہ دیکھ پائی تھی۔اسکی آنکھوں کا رنگ گہرا سیاہ تھا اور وہ بے تحاشہ خوبصورت تھیں،ان میں کسی وادی سی گہرائی تھی، کیسی طوفان سا سکوت تھا،وہ کسی جزیرے سی پراسرار تھیں ان میں وہ بھید تھا جسے سمجھنے میں اک عمر گزر جائے،وہ اتنی دلکش تھیں انہیں دیکھ کر دنیا بھولی جائے۔اسکی بھنویں جڑی ہوئی اور بہت بھری بھری تھیں۔بہت صاف واضح جیسے تراشی گئیں ہوں۔اس سے آگے وہ اس بار بھی کچھ نہ دیکھ پائی تھی اور اسکی آنکھ کھل گئی تھی۔

ہر بار کی طرح اس بار بھی اسے یہ خواب نہیں بلکہ حقیقت لگ رہا تھا جیسے وہ یہ سب کچھ کہیں دیکھ چکی ہے یا پھر دیکھنے والی ہے شاید اسکی چھٹی حس اسے کچھ آگاہ کر رہی تھی۔اسکے تخیل نے اسے کئی بار یہ شبیہ اسکے خوابوں میں دکھائی تھی۔وہ جانتی تھی اب اگلے کئی دن وہ بے چین رہے گی،اسے وہ آنکھیں اپنا حصار کیے محسوس ہوں گی،وہ الجھے گی مگر وہ اپنی اس کیفیت پہ کنٹرول نہ کر پائے گی۔اسے یہ خواب اپنی پوری جزئیات کے ساتھ یاد رہتا تھا۔ وہ اگر کبھی اس شخص کو دیکھتی تو ایک لمحہ میں ان آنکھوں سے پہچان جاتی وہ اس کے حواس پہ طاری تھیں اور ایمان کمال ان آنکھوں کے عشق میں مبتلا تھی۔

آئیڈل پرستی کی آخری حد شائد اسے ہی کہتے ہیں۔

آج صبح جہانزیب سکندر آ رہا تھا،سکندر انکل کا ہونہار بیٹا،جس کی تعریفیں کرتے اور کامیابیوں کے قصے سناتے اسکے ڈیڈا کی زبان نہیں دکھتی تھی۔جہانزیب کیلیئے ان کے دل میں خاص جگہ تھی کیونکہ وہ انکی لاڈلی بیٹی کا شوہر تھا۔

تو کہیں وہ جہانزیب تو نہیں؟

کیسی بچگانہ بات ذہن میں آئی تھی حالانکہ سکندر کو وہ کئی بار دیکھ چکی تھی لیکن اب کئی سال سے وہ لندن میں تھا اور چونکہ وہ خود ایک روایتی لڑکی نہ تھی جو شوہر سے متعلق معلومات اکٹھی کرنے میں خود کو ہلکان کرتی رہتی ہے۔اس نے پچھلے کئی سال سے جہانزیب کو دیکھا نہیں تھا اور یہ محض ایک اتفاق تھا کے پوسٹ گریجویشن کے بعد جہانزیب اپنے ڈی بی اے میں مصروف ہو گیا اور سکندر ملک اور طیبہ تو اسکے ساتھ ہی تھے ایسے میں جہانزیب کو پاکستان آنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔سکندر ملک البتہ اکثر پاکستان میں ہوتے اور طیبہ آنٹی بھی آتی جاتی رہتی تھیں۔اب دو ماہ پہلے اس نے اپنا ڈاکٹریٹ مکمل کیا تھا اس دوران وہ سکندر ملک کے لندن آفس کو بھی سنبھال رہا تھا۔توفیق کمال اور حرا تو اس سے پچھلے نو سالوں میں دو تین بار مل چکے تھے اور ہر بار ان کے پاس اسکی تعریفوں کے انبار ہوتے تھے اور عمر کمال تو پوسٹ گریجویشن کیلئے انگلینڈ ہی میں رہا اور مانچسٹر میرو پولیٹن یونیورسٹی میں ہونے کے باوجود اسکی جہانزیب سے پابندی سے ملاقات رہی تھی۔

اپنی بچگانہ سوچ پہ خود کو ملامت کرتی وہ سونے کیلئے لیٹی مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔صبح یونیورسٹی کیلئے اٹھی تو اب تک خواب والی بات دماغ پہ حاوی تھی۔اسکے چہرے کو دیکھ کر کوئی بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ ڈسٹرب ہے ایسے میں دو پرکشش سیاہ آنکھیں اب بھی اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔وہ اس کیفیت سے نکل کر نارمل ہونا چاہتی جو شائد اس کے بس میں نہ تھا لیکن وہ نارمل دکھ تو سکتی تھی۔

اپنی روٹین کے متضاد، گہرے نارنجی اور سرخ رنگ کا ٹائی اینڈ ڈائی والا کاٹن نیٹ کا فل کڑھائی والا سوٹ، آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پہ آج پیچ لپ اسٹک لگائے وہ قدرے فریش لگ رہی تھی۔

میں تمھیں کیسے سمجھاؤں میرے نزدیک تمھارا یہ رویہ انتہائی احمقانہ ہے۔

ڈائننگ ہال میں قدم رکھتے اسے توفیق کمال کی بھاری آواز سنائی دی تھی۔

لگتا ہے آج پھر عمر بھائی کے ساتھ ڈیڈا کی بحث ہو رہی ہے۔تاسف سے سوچتی وہ کمرے میں داخل ہوئی۔

ڈائننگ ٹیبل پہ حرا اور ضیغم سر جھکائے ناشتہ کر رہے تھے اور توفیق کمال، عمر کو گھور رہے تھے۔

ڈیڈی آپ کیوں نہیں سمجھتے ہے۔۔۔اس سے بہتر لوکیشن فیکٹری کیلئے ملنا مشکل ہے اور پھر میں تمام معاملات طے کر چکا ہوں۔باپ کی ناراضگی کو دیکھتے عمر نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

عمر کمال، میں نے ساری زندگی ضمیر پلے کیا ہے، جو میرے مقدر میں نہ ہو میں نے اس کو کبھی فاؤل کر کے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اگر وہ پارٹی۔۔۔۔۔۔ایمان کو کمرے میں دیکھ کر توفیق کمال نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی

اسلام علیکم۔ ایمان نے سب کو سلام کیا اور مسکراتے ہوئے اپنی مخصوص کرسی کی طرف بڑھ گئی۔

ڈائننگ روم کا ماحول اب بدل چکا تھا ایمان کی موجودگی میں اسکے ہر دلعزیز عمر بھائی کو توفیق کمال اب کیا کہتے۔

یہ آج تم صبح سے کیوں تیار ہو گئی؟ لنچ تک تو باسی ہو جاؤ گی۔ ضعیم نے شرارت سے کہا اور سب مسکرا دیے

ایمان نے کھا جانے والی نظروں سے ضعیم کو دیکھا۔ وہ ضعیم کا مذاق سمجھ گئی تھی۔

مانو۔۔۔۔۔فائینل کب ہیں۔ عمر کی بات پہ ایمان اسے اپنے امتحانات کا بتانے لگی۔

بچپن میں عمر ایک بلی کا بچہ لایا تھا جسے مانو کہا جاتا تھا، وہ ایمان کا لاڈلا تھا اور پھر کچھ عرصے بعد پارک میں کھیلتے وہ گم ہو گیا تھا لیکن ایمان کا رونا شروع ہو گیا تھا، ایسے میں عمر نے اسے سنبھالا تھا اور کہا تھا ،ایک مانو چلی گئی تو کیا ہوا میری مانو تو تم ہو۔ اور ایسے ایمان، عمر کی مانو تھی۔

ویسے تو ایمان گھر بھر کی لاڈلی تھی لیکن عمر سے وہ سب سے زیادہ قریب تھی، عمر کمال وہ جن تھا جس کی جان ایمان میں تھی کسی طوطے میں نہیں۔ ایمان کو اپنے عمر بھائی سب سے اچھے لگتے تھے کیونکہ انہوں نے آج تک ایمان کی کوئی بات نہیں ٹالی تھی۔ بس ان میں ایک ہی خامی تھی۔ اور اس پہ اکثر انکا ڈیڈی کے ساتھ تنازعہ رہتا تھا۔ وہ تقدیر سے زیادہ تدبیر پہ یقین رکھتے تھے اور اس میں حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔

ناشتے کے دوران ہلکی پھلکی باتوں کے بعد سب اپنے اپنے کاموں پہ نکل گئے تھے۔

ایمان آج اتنی جلدی جا رہی ہو، سب ٹھیک ہے نہ؟ ثنا نے پارکنگ کی طرف جاتا دیکھ کر سوال کیا تھا

ہاں، سکندر انکل کی فیملی آج لنچ پہ آ رہی ہے۔ بیتاثر چہرے کے ساتھ ایمان نے وجہ بتائی

کہیں جہانزیب تو نہیں آ گیا؟ ثنا نے شوخی سے کہا

ہاں وہ بھی آ رہا ہے۔ ایمان نے بے نیازی سے جواب دیا

کتنی عجیب لڑکی ہو ایمان تم، تمہارا شوہر نو سال بعد تم سے ملنے آرہا ہے اور تم ہو کے بالکل ایکسائیٹڈ نہیں ہو۔ ذرا رومنٹک نہیں ہو تم میں ہوتی تو پتا نہیں کتنوں کو پتا چل جاتا۔ثنا نے روٹھے پن سے کہا

آپ کے کیا کہنے ثناء جی آپ ہوتیں تو کالج میں آج پمفلٹ تقسیم ہوتے۔ ایمان نے ہنستے ہوئے کہا

یار لڑکیاں تو منگنی کرا کے خوابوں میں کھو جاتی ہیں تم نے افسانوں کی ہیروئینوں کو نہیں پڑھا کیسے منگیتر یا شوہر کے نام پر ان کے چہرے سرخ انار ہو جاتے ہیں۔ثنا نے شوخی سے کہا

آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے میں افسانے کی ہیروئین نہیں بزنس ایڈمنسٹریشن کی سٹوڈنٹ ہوں اور اسوقت اگر میں لیٹ ہوگئی تو میری ممی کا چہرہ غصے سے ضرور سرخ ہو جائے گا۔ایمان نے ہنس کر بات ٹالتے ہوئے کہا۔اللہ حافظ۔مسکراتے ہوئے ایمان میں گاڑی میں بیٹھ گئی۔

اللہ حافظ — ثنا نے تاسف سے سر ہلایا۔

ثنا ٹھیک کہہ رہی تھی، ایمان ہرگز نارمل ایکٹ نہیں کر رہی تھی لیکن اس میں ایمان کا بھی کہاں قصور تھا وہ آئیڈیل پرستی کی جس انتہا پہ تھی وہاں سے اسے جہانزیب دکھائی ہی نہ دیتا تھا ایمان کے خواب اسے جہانزیب کے متعلق سوچنے کہاں دیتے تھے۔

ایمان روایتی لڑکیوں کی طرح بھلے جہانزیب کا نام سن کے سرخ نہ ہوتی مگر شروع کے چند سال اسے اپنا کسی سے منسوب ہونا اچھا لگا تھا مگر جیسے جیسے اس نے شعور کی منزلیں طے کیں، جہانزیب کے بارے میں سوچنا اس نے چھوڑ دیا۔وہ اتنے سالوں میں کبھی پاکستان نہیں آیا تھا، اس نے کبھی کوئی پیغام، کوئی تحفہ نہیں بھیجا تھا۔ اسکی خواہش تھی جہانزیب اسکی سالگرہ پہ مبارکباد کا پیغام دے، وہ سوچتی شائد اس بار عید پہ وہ اچانک اسے کال کر کے حیران کر دے لیکن اس نے ایمان کے متعلق کچھ جاننے کی کوشش نہ کی۔ایمان کے پاس محبتوں کی کمی نہ تھی مگر اس کے لئے اپنے شوہر کی محبت انمول تھی وہ جو اس کی زندگی کا محور تھا، وہ جس کا نام اسکے نام کے ساتھ سالوں پہلے جڑا تھا اس کے دل میں ایمان کے لئے اگر کوئی جذبات نہ ہوئے تو۔۔۔

ایسی زندگی کا تصور ایمان کو اداس کر دیتا تھا۔یہ رشتہ انکے بڑوں نے جوڑا تھا اور وہ دونوں اسے نبھائیں گے لیکن کیا یہ رشتہ محبت کے بغیر ہوگا؟

کبھی کبھی وہ خود کو اس شہزادی سے تشبیہ دیتی جسے اس کے ماں باپ نے نجومیوں کی پیشن گوئی سے ڈر کر ایک ایسے محل میں رکھا تھا جہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچ سکتی اس کے پاس سب کچھ تھا مگر اس کے اندر سورج کو نہ دیکھنے کی اداسی تھی، ایمان کے پاس بھی بن مانگے سب کچھ تھا مگر محبت کے دیئے کی جوت سے اسکی زندگی خالی تھی۔

چند مہینوں سے ایک خواب اسکے حواس پہ سوار تھا، وہ کسی شخص کا ادھورا چہرہ دیکھتی تھی جس میں اسکی پر کشش آنکھیں اتنی واضح اور حقیقی محسوس ہوتیں کہ ایمان کو لگتا وہ اس کے آس پاس ہی ہے۔اور پھر کب وہ اپنے اس آئیڈیل کی محبت میں گرفتار ہوگئی اسے پتا بھی نہ چلا۔وہ جانتی تھی وہ جو دیکھ رہی ہے اسے کبھی پا نہ سکے گی لیکن وہ امیجینیشن کی انتہا پہ تھی۔اسے یہ خواب دیکھنا اچھا لگتا تھا۔

لنچ پہ سب ہی گھر میں موجود تھے۔مسٹرڈ اور براؤن کے کنٹراسٹ میں ٹخنوں تک آتا فراک جس کے گلے اور گھیر پہ کڑھائی تھی ساتھ میں مسٹرڈ دوپٹہ اور ہم رنگ ٹراؤزر میں وہ کافی اچھی لگ رہی تھی۔اپنے سلکی بال کھولے آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پہ لپ گلوس۔وہ ہمیشہ کی طرح پر کشش نظر آرہی تھی۔اسکی انگلیوں میں ایک دو نازک سی انگوٹھیاں اور کلائی پہ گھڑی بندھی تھی۔

اسلام علیکم۔پراعتماد انداز میں ڈرائینگ روم میں داخل ہوتے اس نے سب کو مشترکہ سلام کیا تھا

وعلیکم اسلام۔سکندر ملک اور طیبہ اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح نہال ہوگئے تھے

کیسی ہے میری بیٹی؟طیبہ نے اٹھ کر اسے گلے سے لگایا اور اپنے ساتھ بٹھالیا

میں بالکل ٹھیک ہوں آنٹی، آپ کیسی ہیں۔اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا

میں بھی ٹھیک ہوں، اکیلے بور ہوتی رہتی ہوں اسلیئے سوچ رہی ہوں جلد ہی اپنی کمپنی کا بندوبست کرلوں۔

ذومعنی الفاظ میں کہی ان کی بات کا مطلب سمجھ کر اس نے سر جھکا دیا تھا۔

بلیو ڈینم اور بلیک پولو شرٹ میں وہ کافی رف سے حلیئے میں تھا۔بڑی بڑی براؤن آنکھیں، چوڑی پیشانی، سلیقے سے جیل سے پیچھے کیئے براؤنش بلیک بال، گوری رنگت اور چہرے پہ سنجیدگی لئے وہ پہلی نظر میں ایمان کو بڑا مغرور لگا تھا۔اس نے صرف ایک بار ایمان کو دیکھا اور پھر عمر سے آہستہ آواز میں باتیں کرنے لگ گیا، شائد وہ

دونوں کوئی کاروباری ڈسکشن کر رہے تھے۔ سکندر ملک اور توفیق کمال کی اپنی گفتگو جاری تھی اور طیبہ اب حرا سے کسی پارٹی کے متعلق ڈسکس کر رہی تھیں۔ اس نے نظر اٹھا کے حسرت سے جہانزیب کی طرف دیکھا جو اس وقت ڈرائینگ روم میں اسکی موجودگی سے بے نیاز تھا اور پھر اسکی نظریں بے اختیار جہانزیب کی آنکھوں پہ جا کے ٹھہر گئیں۔ جہانزیب نے شائد خود پہ اسکی نگاہ کو محسوس کیا تھا تبھی اس نے منہ اٹھا کے ایمان کی طرف دیکھا تھا۔ یکا یک اس نے اپنی نظریں جھکا لیں۔

جہانزیب زیر لب مسکرایا اور پھر عمر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس وقت وہ اپنے کمرے میں تنہا تھی۔ بیڈ پہ ٹیک لگائے وہ بہت اداس بیٹھی تھی۔

تو کیا یہ طے ہے کہ اب عمر بھر نہیں ملنا

تو پھر یہ عمر بھی کیوں تم سے گر نہیں ملنا

اس رات ایمان اپنے کمرے میں گھنٹوں روتی رہی، جب دل ٹوٹتا ہے تو آواز بھی نہیں آتی مگر نہ جانے آنکھوں کو کیسے خبر ہو جاتی ہے کہ ضرب کڑی ہے۔ کتنی حسرت سے اس نے جہانزیب کی آنکھوں کو دیکھا تھا۔ وہ قابل ستائش تھیں بلاشبہ جہانزیب ایک ہینڈسم مرد تھا مگر یہ آنکھیں وہ نہیں تھیں جنھیں دیکھنے کی ایمان کو حسرت تھی۔

جہانزیب بہت میچور اور لئے دیئے رہنے والا بندہ تھا، اسکی طبیعت میں بہت ٹھہراؤ تھا وہ کافی باتونی تھا لیکن اپنے حلقہ احباب کی حد تک۔ اسے ایمان میں بس یہی دلچسپی تھی کہ وہ اسکے ماں باپ کی پسند تھی اور کیونکہ اس نے کسی سے تو شادی کرنی ہی تھی تو پھر ایمان وہ لڑکی ہے تو ٹھیک ہے۔ اس سے زیادہ اس نے ایمان کے لئے کبھی نہیں سوچا تھا۔

لیکن آج جب اس نے ایمان کو اتنے سالوں بعد اپنے سامنے دیکھا تو نظریں ہٹانا بھول گیا تھا۔ وہ کسی ساحرہ کی طرح اس کے دل کو اپنی گرفت میں لے چکی تھی مگر یہ وقت جذبات دکھانے کا نہیں تھا اسکی اور ایمان کی ساری فیملی کے سامنے وہ ہرگز کوئی اوچھی حرکت نہیں کر سکتا تھا اسے ٹین ایجر کی طرح بی ہیو نہیں کرنا تھا۔ بھلے سامنے اس کی منکوحہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے فوراً ہی عمر کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جو اسے اپنی نئی فیکٹری کے متعلق بتا

رہا تھا اور جس کی زمین کا سودا آج کل میں ہونے والا تھا۔ اس نے محسوس کیا کوئی اسے دیکھا رہا ہے۔ وہ ایمان تھی جو گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی اور پھر اس نے گھبرا کے اپنی گھنی پلکیں جھکا لیں۔ بے شک وہ لڑکی دل میں اترنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے پاپا سے ایمان کا موبائل نمبر لیا تھا وہ اس سے ملنا چاہتا تھا، ایک بار دوبارہ اسے فرصت سے دیکھنا چاہتا تھا اور پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ اس دن اس کے چہرے کو اتنے غور سے کیوں دیکھ رہی تھی۔

فون کی تیسری بیل پہ اس نے کال ریسیو کی، نمبر غیر شناسہ تھا اور عام حالات میں ایسے نمبر کو اٹینڈ کرنے کا ایمان دس بار سوچتی مگر جلدی نے اسکی مت ماری ہوئی تھی۔ پہلے ہی اسے کالج سے لیٹ ہو رہا تھا اور اب یہ موبائل بیوقت چنگھاڑنے لگا تھا۔

ہیلو۔ تیز آواز میں کافی روڈ بولی تھی وہ، ساتھ ساتھ اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی

اسلام علیکم مسز ایمان جہانزیب۔۔ جانی پہچانی مردانہ آواز میں مسکراتا لہجہ اس نے شائد یہ آواز حال ہی میں سنی تھی۔

ایمان کا برش کرتا ہاتھ رک گیا تھا۔

آپ کون؟ حیرت سے اس نے سوال کیا۔

جہانزیب سکندر۔۔ آواز میں سنجیدگی تھی

اتنی صبح۔۔ اور آپ کے پاس میرا نمبر، وہ خود نہیں جانتی تھی اسے اسوقت کیا کہنا چاہئے اور وہ کیا کہہ رہی تھی۔

جہانزیب کا فون اتنا غیر متوقع تھا وہ بہت نروس ہو گئی تھی

آپ کو میرے سورسز کا اندازہ نہیں مادام۔ جہانزیب نے مسکراتے ہوئے کہا

نہیں میرا مطلب ہے آپ نے اچانک کال کی تو۔ اب جو زبان سے نکال بیٹھی تھی اسوقت واپس تو لے نہیں سکتی تھی۔

جی اندازہ تو مجھے ہے۔ اور ان کا استعمال بھی آپ نے محض نو سال کے کم عرصے میں کر لیا ہے۔ یہ بات وہ جہانزیب سے کہہ نہیں پائی تھی بس دل میں سوچ کے رہ گئی تھی۔

کیسی ہیں آپ اور کیا کر رہی ہیں؟ جہانزیب کا انداز دوستانہ تھا

کالج کیلیے نکلنے لگی تھی۔ وہ اچانک بول پڑی اور یکدم اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

اب جو اس نے کال کر دی تھی تو ڈھنگ سے بات کرنے کی بجائے اسے کالج کا بتانے کی کیا ضرورت تھی۔

اوہ۔ غالباً میں نے غلط ٹائم پہ فون کر دیا ہے۔ اس نے برا مانے بغیر کہا۔

میں دراصل کالج جانے کیلیے تیار ہو رہی تھی۔ اب اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا تھا۔

ابھی آپ کالج جائیں میں پھر کسی مناسب وقت کال کروں گا

Have a Nice Day۔

اس نے فوراً فون بند کر دیا تھا۔

کالج جانے کی افراتفری بھلا کے اب وہ جہانزیب کے اچانک کال کرنے کا سوچ رہی تھی اور اپنی بیوقوفی پہ افسوس کر رہی تھی کہ ایسا بھی کیا تھا جو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ جہانزیب سے ڈھنگ سے بھی تو بات کر سکتی تھی۔ اپنے نروس ہونے پہ پیچ و تاب کھاتی ایمان کالج کیلیے نکل گئی۔

☆......☆......☆

آج آفس میں اسکا پہلا دن تھا۔ بطور چیف ایگزیکٹو جے اینڈ ایس فارماسوٹیکل میں اپنا چارج سنبھالتے اس نے سکندر ملک کے چہرے پہ خوشی کے جو رنگ دیکھے تھے وہ اس سے پہلے کبھی نظر نہیں آئے تھے۔ ایمان سے ہونے والی صبح اسکی ٹیلیفون پہ بات نے اسے کافی خجل کیا تھا لیکن اب پاپا کا اس کو اپنے آفس میں اتنے جذباتی انداز میں ویلکم کرنا، آج کا دن بلاشبہ ایک یادگار دن تھا۔

لنچ ٹائم میں وہ ایمان کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اسے کبھی کنفیوز اور نروس لڑکیوں میں کشش محسوس نہیں ہوئی تھی۔ بلاشبہ وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی مگر اتنی بھی کیا معصومیت کہ اپنے شوہر کی کال سن کے طوطے ہی اڑ جائیں اور اگر میں سامنے چلا جاتا تو محترمہ کسی کونے میں ہی چھپ جاتیں۔ اس نے جھنجلاتے ہوئے سوچا۔ کل جب اس نے ایمان کو دیکھا تو وہ اسے اچھی لگی تھی اس کا حسین پرکشش چہرہ، اسکی خوبصورت آنکھیں اور اسکے کھلے بال۔ وہ سارا وقت بڑی بے نیاز سی بیٹھی رہی۔ اسے لگا وہ کافی کم گو ہے لیکن جہانزیب محض خوبصورتی سے متاثر

ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔اس نے طویل عرصہ مغرب میں گزارا تھا اس کے اردگرد بولڈ اور پر اعتماد لڑکیوں کا ہجوم تھا۔اس کے ساتھ کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنے والی لڑکیاں جو نہ صرف ذہین تھیں بلکہ انکا اعتماد آسمان کو چھوتا تھا۔مغرب کی بے باکی کو ایک طرف رکھ کر وہ صرف اپنی کلاس فیلوز کے اعتماد کو سوچتا تب بھی ایمان کا آج کا رویہ اسکے لئے بہت مایوس کن تھا۔

☆......☆......☆

ایم ایم عالم روڈ پہ ایک مشہور ریسٹورنٹ کی پارکنگ میں گاڑی پارک کر کے وہ دونوں اندر داخل ہوئی تھیں۔آج ثنا کی سالگرہ تھی اور ہمیشہ کی طرح آج وہ ایمان کو ٹریٹ دینے کے لئے اپنے پسندیدہ ریسٹورنٹ میں لے آئی تھی۔استقبالیہ پہ دو لوگوں کا کہہ کر وہ دونوں اپنی ٹیبل سلیکٹ کر چکی تھیں۔ریسٹورنٹ میں بیٹھے لوگوں کو نظر انداز کر کے اب وہ اپنی پسندیدہ اسنیک کی ٹیبل کی طرف جا رہی تھیں۔

السلام علیکم ایمان۔خوبصورت لہجے میں کوئی بہت دھیمے انداز میں بولا تھا

ایمان نے چونک کر پیچھے دیکھا،ساتھ والی ٹیبل پہ چائنیز بوفے سرو تھا اور وہ اسی ٹیبل سے اپنے لئے کھانا لے رہا تھا۔

جہانزیب آپ؟ایمان نے آنکھوں میں حیرت لئے کہا

جی۔۔یہ میرا پسندیدہ ریسٹورنٹ ہے اور پاکستان میں تھا تو یہاں بہت آتا تھا اسلئے سوچا آج پھر اس کو آزمایا جائے۔دیکھیں کیا اب بھی اسکا معیار اتنا ہی اعلیٰ ہے۔خوش مزاجی سے مفصل جواب دیتے وہ مسکرا رہا تھا۔

جی اس میں کوئی شک نہیں کہ روایتی پاکستانی کھانوں کے لئے اس سے بہتر جگہ کوئی نہیں اور پھر یہاں کا انٹیریئر۔ایمان اب نارمل انداز میں اس سے بات کر رہی تھی۔

آہم۔آہم۔۔ثنا نے دونوں کو باتیں کرتے دیکھا تو اپنی موجودگی کا احساس دلانے کیلئے گلا کھنکھارہ

یہ ثنا ہے۔میری بیسٹ فرینڈ اور کلاس فیلو میرے ساتھ بی اے کر رہی ہے۔

ثنا،یہ جہانزیب ہیں۔سکندر انکل کے بیٹے۔ایمان نے تعارف کروایا اور جہانزیب کی مسکراہٹ کم ہو گئی۔

آج میری برتھ ڈے ہیں اور میں ایمان کو یہاں ٹریٹ دینے کیلئے لائی تھی۔ایمان کے نامکمل تعارف پہ تیخ

پاہوتی ثناء خود ہی بولی۔

اوہ۔وش یو آ ویری ہیپی برتھ ڈے۔جہانزیب نے ثنا کو مبارکباد دی

آپ بھی ہمیں جوائن کریں نہ؟ثنا نے مسکراتے ہوئے کہا

میں ضرور کرتا مگر اب تو میں اپنا لنچ تقریباً ختم کر چکا ہوں،انشااللہ پھر کسی دن۔خوش اخلاقی سے معذرت کرتا وہ اپنی ٹیبل تک گیا تھا اور پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ ریسٹورنٹ سے جا چکا تھا۔یہ ایمان کی سہیلی کی طرف سے برتھ ڈے ٹریٹ تھی اور بن بلایا مہمان ہونا اسے پسند نہ تھا۔ویسے بھی ایمان نے اس کا تعارف کرواتے ہوئے جو اختصار برتا وہ سن کر جہانزیب کے لئے وہاں رکنا مشکل ہو گیا تھا

ایمان کی نظروں نے ہال سے باہر جاتے جہانزیب کا تعاقب کیا۔

کیا ڈیشنگ پرسنیلٹی ہے یار۔ثنا نے جذباتی انداز میں کہا۔ایمان مسکرادی

تھوڑا اکڑوں نہیں ہے۔ثنا نے تبصرہ جاری رکھا

نہیں۔۔اس نے کہا نہ وہ اپنا کھانا ختم کر چکا تھا۔ایمان آہستہ سے بولی۔

ایمان کا ذہن اس دن والی کال میں اٹکا تھا جب جہانزیب نے ایمان کو اچانک کال کر کے حیران کر دیا تھا اور ایمان گھبراہٹ میں جہانزیب سے اچھی طرح بات بھی نہ کر پائی تھی۔شائد وہ اسی لئے خفا ہو،ویسے بھی اس دن کے بعد اس نے ایمان کو دوبارہ فون بھی نہیں کیا تھا۔ایمان نے سوچا۔

ویسے تو اس دن کے بعد اگلے چند دن جہانزیب کے آفس میں کافی مصروف تھے،اسے فیکٹری جانا تھا،کچھ تعارفی میٹنگز اٹینڈ کرنی تھیں،ایک دو آفیشل ڈنر تھے جو انکے کاروباری دوستوں نے جہانزیب کی پاکستان آمد اور کمپنی میں شمولیت کے پیش نظر دیئے تھے۔مگر وہ فری بھی ہوتا تو ایمان کو دوبارہ فون کرنے کی حماقت نہ کرتا۔شائد ایمان کو فون کر کے پہلے ہی وہ غلطی کر چکا تھا۔اس رات سب لوگ ڈنر میں مصروف تھے جب جہانزیب کے موبائل پہ ہونے والی بیل نے سب کو اسکی طرف متوجہ کر دیا۔

ایک دوست کا فون ہے۔ایکسکیوز می کہتا وہ جلدی سے ڈائینگ ٹیبل سے اٹھا تھا۔

موبائل اسکرین پہ ایمان کا نمبر دیکھ کر اس نے بہانہ بنایا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

ہیلو۔تیزی سے اپنے کمرے کی طرف جاتے اس نے کال ریسیو کی تھی

آپ مصروف تو نہیں تھے۔ایمان نے خوبصورت لہجے میں پوچھا۔

میں مصروف ہوں پھر بھی آپ جتنا مصروف ہرگز نہیں ہوتا کہ ڈھنگ سے بات ہی نہ کر پاؤں۔جہانزیب نے بدلہ چکایا۔

میں معذرت چاہتی ہوں۔آپ کی اچانک کال آگئی اور پھر میں اس دن کالج سے لیٹ ہو رہی تھی اسلئے آپ سے مناسب بات نہ کر سکی۔ایمان نے وضاحت کی۔

چلیں چھوڑیں اس قصے کو یہ بتائیں سکندر انکل کے بیٹے کو اس وقت فون کیسے کیا۔وہ بھی اتنی جلدی معاف کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

آپ خفا ہیں۔ایمان نے ڈرتے ہوئے کہا۔

میری کیا مجال جو توفیق انکل کی بیٹی سے ناراض ہوں۔مسکراتے ہوئے وہ اسے شرمندہ کرنے میں مصروف تھا۔ویسے کیا ہمارا بس یہ تعارف ہے۔جہانزیب بولا

اس سے زیادہ ہے بھی کہاں۔ایمان نے جتاتے ہوئے کہا۔

اوہ تو یہ گلہ ہے محترمہ کو۔پھر کرا دیتے ہیں اپنا تعارف بتائیں کب اور کہاں؟جہانزیب نے بے تکلفی سے پوچھا۔

جہانزیب میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ایمان گڑبڑا کے بولی۔

لیکن میرا تو یہی مطلب تھا۔بتاؤ کب اور کہاں ملو گی۔ویسے بھی تمہاری ایک چیز تمہیں پہنچانی ہے۔جہانزیب کا موڈ خاصہ خوشگوار تھا اور ایمان سے تو وہ پہلے ہی ملنا چاہ رہا تھا اب جہاں اتنی باتیں ہو رہی تھیں تو ملاقات کا پلان بھی بنا لیا تھا۔

لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔سب لوگ کیا سوچیں گے۔جہانزیب کی بات سن کے ایمان تو گھبرا ہی گئی۔

یہی کہ مسٹر اینڈ مسز شادی سے پہلے ملنا چاہتے ہیں۔جہانزیب شوخ لہجے میں بولا

تم فکر نہ کرو میں توفیق انکل سے خود پوچھ لوں گا۔تم صرف اتنا بتاؤ کب ملو گی۔جہانزیب نے گویا اسے بڑا

آسان ساحل بتایا۔

اس ویک تو نہیں کچھ مصروفیت ہے میری بیسٹ فرینڈ کی شادی ہے اور پھر نیکسٹ ویک سے فائینل ایگزام بھی ہیں۔اسکے بعد سوچا جاسکتا ہے۔ایمان نے اپنا سارا پروگرام بتا دیا۔

کافی لمبا انتظار کروا رہی ہیں بیگم صاحبہ۔چلو کوئی نہیں میں بھی ذرا آفس میں دو دو ہاتھ کرلوں۔آج کل ویسے بھی مصروفیت کچھ زیادہ ہے۔خوشگوار موڈ میں جہانزیب نے کال بند کی۔آج ایمان کی کال نے اسے ریلیکس کر دیا تھا۔

جہانزیب سے بات کر کے ایمان پرسکون ہوگئی تھی۔وہ نہیں چاہتی تھی انکے رشتے کے آغاز میں ہی اختلافات یا غلط فہمیاں جگہ بنالیں اسے اپنی پوری ایمانداری سے اس رشتے کو نباہنا تھا اور جہانزیب کو کبھی ایسا تاثر نہیں دینا تھا کہ ایمان کے دل میں کسی اور کی تصویر بسی ہے۔جس چہرے کو اس نے آج تک کبھی دیکھا ہی نہیں اور پھر کیا پتا ایسا کوئی ہے بھی یا نہیں۔اور اگر ہو بھی تو ایمان ہرگز جہانزیب سے اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا نہیں سوچ سکتی۔یہ اسکے ڈیڈا کا فیصلہ ہے جو انہوں نے حق سے کیا ہے۔ایمان انہیں کبھی لیٹ ڈاون نہیں کرے گی۔

☆......☆......☆

کافی کا کپ لے کر وہ اسٹڈی کے دروازے پہ کھڑی تھی۔

عمر بھائی مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔اسٹڈی میں لیپ ٹاپ پہ انگلیاں چلاتے عمر کے سامنے اس نے کافی کا کپ رکھا۔

بولو مانو۔عمر کی نظریں اسکرین پہ جمی تھیں اور دھیان ایمان کی طرف۔

حبہ کی شادی ہے، کل مہندی کا فنکشن ہے اور ضعیم کو کل اپنے فرینڈ کے ساتھ جانا ہے۔آپ مجھے پک اینڈ ڈراپ کرلیں گے نہ؟اپنی سہیلی کی شادی پہ جانے کیلئے اسے عمر سے پک اینڈ ڈراپ درکار تھا کیونکہ توفیق کمال کو ایمان کا نائٹ ٹائم ڈرائیونگ کرنا پسند نہ تھا جبکہ ڈرائیور کے ساتھ ایمان کہیں نہیں جاتی تھی ایسے میں اگر اسے شام کو کہیں جانا ہوتا تو اکثر ضعیم ہی پھنستا تھا لیکن آج وہ صاف بچ کے نکل گیا تھا۔

کہاں ہے فنکشن؟ عمر نے ایک نظر ایمان کو دیکھا

ڈیفنس کلب میں۔ ایمان نے فنکشن کا وینیو بتایا

اچھا میں تمھیں ڈراپ کر دونگا اور جب واپس آنا ہو مجھے کال کر دینا میں آجاؤں گا۔

ایمان کو معلوم تھا عمر اسے انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔

☆......☆......☆

گلابی اور پیلا کامدار ٹخنوں تک لمبا انگرکھا پہنے، چوڑی دار پاجامہ ساتھ پاؤں میں قیمتی تین انچ لمبی ہیل والی گولڈن سینڈل، ماتھے پہ سنہری بندیا اور کانوں میں بڑے بڑے آویزے۔ کھلے بال اور اپنے مخصوص میک اپ میں وہ پرستان کی پری معلوم ہو رہی تھی۔

عمر نے پیار بھری نظر ایمان پہ ڈالی، جلد ہی اسکی مانو دلہن بننے والی تھی۔ اسے ایمان کا یہ سجا سنورا روپ بہت پیارا لگا تھا اور اس نے دل سے اسے خوش رہنے کی دعا دی تھی۔

حبہ کی مہندی کیلئے ایمان اور شائستہ پرجوش تھیں۔ وہ ان دونوں کی مشترکہ دوست تھی اور دوران تعلیم ہی اس کی شادی طے ہو گئی تھی۔ اسکی شادی ان دونوں کیلئے ایک دلچسپ تجربہ تھی۔

عمر، ایمان کو ڈراپ کرنے آیا تھا، باہر ہی حبہ کے والد سے سلام دعا کے بعد وہ جانا چاہتا تھا لیکن اصغر صاحب اسے زبردستی اندر لے آئے، لیکن پھر دس منٹ بعد ہی عمران سے اجازت لے کر نکل گیا تھا۔ ایمان اس دوران عمر کے ساتھ ساتھ تھی اور جب وہ چلا گیا تو ایمان حبہ کے پاس چلی گئی۔

تو پھر آج ہم مل رہے ہیں۔ جہانزیب نے حکم سنایا تھا۔ ایمان کے امتحانات ختم ہو چکے تھے اور اگلے دن جہانزیب نے کال کر دی تھی اور اچانک ہی ملنے کی فرمائش کر دی۔

آپ نے ڈیڈا سے بات کی؟ ایمان نے پوچھا

وہ بھی کر لیتا ہوں تم تو ایسے کر رہی ہو جیسے میں کوئی غیر ہوں۔ میں جانتا ہوں توفیق انکل تمہاری طرح ری ایکٹ نہیں کریں گے۔

اور پھر اس نے خود اسے جہانزیب کے ساتھ ڈنر پہ جانے کا کہا تھا۔ جہانزیب صحیح کہہ رہا تھا اسکے ڈیڈا نے بھلا

کیوں انکار کرنا تھا۔

سنو میں ابھی آفس سے باہر ہوں اور مال روڈ سے نزدیک ہوں، مجھے یہاں کچھ کام ہے اور تمہیں پک کرنے ڈیفینس آیا تو پھر ہم لیٹ ہو جائیں گے۔تم ایسا کرو ابھی گھر سے نکلو جتنی دیر میں تم آواری پہنچو گی میں بھی فری ہو کے وہیں آ جاؤں گا۔مصروف سے لہجے میں بولتا وہ ساتھ ساتھ کچھ کام بھی کر رہا تھا۔

کچھ سال پہلے توفیق کمال ماڈل ٹاؤن سے ڈیفینس شفٹ ہو گئے تھے اور سکندر ملک اب ان کے ہمسائے نہیں تھے اور اگر ہوتے بھی تو جہانزیب اسوقت فیروز پور روڈ پہ واقع پی سی ایس آئی آر کے ہیڈ آفس میں تھا، اسکا ایمان کے ساتھ سات بجے کا ٹائم سیٹ تھا اور اب چھ بج کر چالیس منٹ ہو رہے تھے، اسے ابھی یہاں مزید آدھا گھنٹہ رکنا تھا ایسے میں وہ پہلے ڈیفنس جائے پھر ایمان کو پک کر کے دوبارہ مال پہ آئے اسکی بجائے اسے یہی مناسب لگا کہ ایمان خود آواری آ جائے اور وہ اپنا کام ختم کر کے دس منٹ میں ہوٹل پہنچ جائے گا۔

اچھا میں ابھی کچھ بزی ہوں، تم پہنچ کے مجھے کال کرنا، مل کے بات ہو گی۔اپنی مصروفیت کا بتا کر جہانزیب کال بند کر چکا تھا لیکن ایمان کو مشکل میں ڈال دیا تھا۔

توفیق کمال اور حرا کسی ڈنر کیلیے نکل گئے تھے، عمر ابھی گھر نہیں پہنچا تھا، ویسے بھی وہ اکثر لیٹ گھر آتا تھا اور ضعیم ابھی کچھ دوستوں کے ساتھ باہر گیا تھا وہ اکثر کمبائن اسٹڈی کیلیے ایک دوسرے کے گھر اکٹھے ہوتے تھے، ایمان کو جہانزیب کے ساتھ ڈنر پہ جانا تھا اور جہانزیب نے ہی اسے پک کرنا تھا یہ بات سب کو معلوم تھی لیکن اب اچانک جہانزیب نے پروگرام تبدیل کر دیا تھا شائد وہ نہیں جانتا تھا ایمان کو رات میں گاڑی ڈرائیو کرنے کی اجازت نہ تھی۔

مرتا کیا نہ کرتا کے مترادف ایمان نے اللہ کا نام لیا اور گاڑی نکال کر مین بلیوارڈ کی طرف چل پڑی۔یہ اسکا اپنا شہر تھا یہاں وہ دن میں بے جھجک گھومتی پھرتی تھی مگر رات میں اکیلے وہ کبھی نہیں نکلی تھی، اکتوبر کے آخری دن تھے اور آجکل مغرب پونے چھ بجے ہو جاتی تھی۔وہ کوئی ڈرپوک لڑکی ہرگز نہیں تھی بس اپنے ڈیڈا کے اصولوں کو نظر انداز کرنا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

ہمت کر کے وہ اکیلی ہی آواری آ گئی تھی۔اسے آئے دس منٹ ہو چکے تھے لیکن جہانزیب ابھی تک نہیں آیا

تھا البتہ اسکا فون آ گیا تھا کہ وہ راستے میں ہے۔

اتنا ٹریفک جام، مجھے ہرگز امید نہیں تھی کہ میں ٹائم پہ پہنچ پاؤں گا۔ بے تکلفی سے کرسی کھینچتا وہ اسے لاہور کی سڑکوں پہ ہونے والے ٹریفک کا بتا رہا تھا۔

مجھے لگا میں لاہور نہیں لندن میں ڈرائیو کر رہا ہو۔نو سال میں کافی تبدیلی آ گئی ہے نہ۔ پانی کا گلاس پیتے اس نے تبصرہ کیا۔

اس دن کے برعکس آج وہ بلیک ٹو پیس میں تھا۔ گرے شرٹ پہ بلیک اور گرے سلک ٹائی، بالوں کو جیل سے پیچھے کیئے وہ کافی اسمارٹ لگ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر ایمان کو دیکھا جو بلیک شیفون کے ایوننگ ویئر میں کافی دلکش لگ رہی تھی مگر اسے یکسر نظر انداز کرتا وہ اسے ٹریفک جام اور اپنی آج کی مصروفیت کے قصے سنا رہا تھا۔

ہونٹوں پہ مدہم سی مسکراہٹ اور دل میں بیتحاشہ بیزاری لیئے وہ خاموشی سے اسکی باتیں سن رہی تھی۔ وہ بزنس کی اسٹوڈنٹ تھی اور گھر میں بھی اسکے ڈیڈا اور عمر بھائی کاروباری باتیں کرتے تھے مگر اسوقت جہانزیب کے ساتھ ڈنر کرتے وہ کاروباری مصروفیات، لندن اور پاکستان کی زندگی کے فرق اور پاکستان میں بڑھتے کرائم اور کرپشن کی شرح پہ سیر حاصل بحث کرنے کے موڈ میں تو قطعاً نہیں تھی۔ اس ڈنر پہ وہ کافی بدمزہ ہوئی تھی۔

اسے لگا جہانزیب اسے جان بوجھ کر اگنور کر رہا تھا یا پھر وہ اپنے سامنے کسی کو خاطر میں لاتا ہی نہیں تھا۔ وہ دونوں پہلی بار اکیلے ملے تھے، وہ اسکی بیوی تھی مگر جہانزیب کی باتوں میں اس رشتے کے حوالے سے کچھ نہ تھا۔ حالانکہ اس دوران وہ کافی خوشگوار موڈ میں تھا مگر ایمان بہت بور ہو رہی تھی۔ دھیان بار بار اسی بات پہ جا رہا تھا کہ ابھی اسے اکیلے ڈرائیو کر کے گھر واپس جانا ہے اور پھر ڈیڈا کی ڈانٹ ۔۔ حالانکہ توفیق کمال نے ایمان کو کبھی نہیں ڈانٹا تھا لیکن ایمان نے کبھی ایسا کچھ کیا ہی کہاں تھا جو توفیق کمال کو برا لگتا۔

تم بور تو نہیں ہو رہی۔ اسٹیک کا ٹکڑا کاٹ کر کانٹے سے لگائے اس نے ایمان سے کہا۔

بالکل نہیں۔ آپکی اتنی معلوماتی باتوں پہ بور ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ویسے بھی اس ریسٹورنٹ کے ماحول میں کرنٹ اور فارن افیئرز پہ بڑی اچھی گفتگو ہو سکتی ہے۔ ایمان نے طنزیہ کہا۔

اور اس کی بات پہ جہانزیب ہنسنے لگا۔

اچھا بھئی سوری۔کیا کروں پہلے کبھی ڈیٹ پہ نہیں گیا کسی کے ساتھ۔جہانزیب نے چڑاتے ہوئے کہا۔

ایک۔سکیوزمی۔آپ سے کس نے کہا میں آپ کے ساتھ ڈیٹ پہ آئی ہوں۔آپ نے کہا تھا آپ کو مجھ سے کوئی بات کرنی ہے شائد اسی لئے میں نے ملنے کی حامی بھری تھی۔ایمان نے فوراً کہا۔

اچھا۔۔میں خوامخواہ ایکسائیٹڈ تھا کہ آج ایک حسین لڑکی کے ساتھ ڈیٹ پہ جارہا ہوں۔جہانزیب نے اس کے چہرے کو اپنی نگاہوں میں رکھتے ہوئے کہا۔ایمان کے چہرے پہ دھنک کہ رنگ بکھرے تھے۔

یہ تمھارے لئے۔سیاہ مخمل کی ڈبیا ایمان کی طرف بڑھاتے جہانزیب نے کہا۔

کھانا کھاتے وقت وہ جتنی سنجیدہ باتیں کر رہا تھا اور جس انہماک سے اس نے اپنا کھانا ختم کیا لگتا تھا وہ فقط ڈنر کیلئے ہی آیا ہے۔

ایمان نے اسکی طرف دیکھا۔ایک نازک سا ڈائمنڈ کا لاکٹ وائٹ گولڈ کی چین میں جگمگا رہا تھا۔

یہ میں لندن سے لایا تھا اور تمھیں مل کر ہی دینا چاہتا تھا۔مسکراتے ہوئے جہانزیب نے اسے بتایا

ایمان کی آنکھوں میں جگنو در آئے تھے۔کچھ لمحے دل میں چھپے ستار کے تاروں کو چھیڑ دیتے ہیں اور پھر کوئی مدھری دھن آپ کے انگ انگ میں بجنے لگتی ہے۔

بہت خوبصورت ہے،شکریہ۔اب مجھے چلنا چاہیے،کافی ٹائم ہو گیا ہے۔ایمان نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتے کہا۔

ارے ہاں میں تمھیں بتانا تو بھول ہی گیا۔جہانزیب نے اٹھنے سے پہلے کہا

اس ویک اینڈ پہ ممی،پاپا تمہارے گھر آئیں گے۔

اور آپ؟ایمان جو سمجھ رہی تھی کہ پتا نہیں کیا خاص بات ہے اور کھودا پہاڑ نکلا چوہا کے مترادف پا کر اب سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

میں تو آنا چاہ رہا تھا لیکن ممی نے کہا شادی کی ڈیٹ لینے لڑکے خود نہیں جاتے۔سنجیدگی سے کہتے اس نے ایمان کو دیکھا جس کے چہرے پہ حیا کے رنگ تھے۔

چلو پھر تمھیں لیٹ ہو جائے گا۔گاڑی کی چابی اور اپنا موبائل سنبھالتا وہ کھڑا ہو گیا۔

یہ شخص اسے سچ میں حیران کر رہا تھا۔

نو بجے وہ دونوں ریسٹورنٹ سے باہر نکلے اور پارکنگ کی طرف بڑھے۔ایمان کو بائے کہتا جہانزیب اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا۔

☆......☆......☆

ساڑھے نو ہو رہے تھے اور ایمان جانتی تھی ابھی توفیق کمال اور حرا گھر نہیں پہنچے ہونگے عمر تو اکثر ہی لیٹ آتا تھا۔اب تک کسی نے اسے فون نہیں کیا تھا۔اسکی گاڑی اسوقت گھر نہ پا کر وہ لوگ ضرور اسے فون کرتے اسکا مطلب گھر پہ کوئی نہیں تھا۔وہ جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی۔کتنا اچھا ہو کسی کو پتا ہی نہ چلے وہ اکیلی رات کو نکلی تھی لیکن چوکیدار، چوکیدار کو تو وہ منع نہیں کر سکتی تھی مگر کیا ڈیڈا چوکیدار سے انکوائری کریں گے۔اس نے سوچا۔

نہیں۔اسکے ڈیڈا کے پاس اتنا فالتو وقت ہوتا ہی کہاں ہے۔

تمام رستے اسکا دھیان اسی بات میں الجھا رہا۔حالانکہ وہ آج جہانزیب کے بارے میں سوچنا چاہ رہی تھی۔اسکا دیا پہلا گفٹ۔اسکی زبان سے نکلے چند تعریف کے لفظوں کو۔اسوقت اسے صرف جہانزیب یاد تھا۔وہ اسکی زندگی کی حقیقت تھا۔اسکے سامنے تھا اور وہ خواب، اسکی احمقانہ آئیڈیل پرستی۔وہ سب کہیں بہت پیچھے رہ گئے تھے۔

مین بلیوارڈ پہ مڑنے کی بجائے اس نے شارٹ کٹ کے لئے اپنے گھر کی پچھلی سوسائٹی کا رخ کیا، یہاں ابھی سارے مکانات بنے نہیں تھے۔کافی بڑے بڑے پلاٹوں کے بلاک خالی تھے اور کچھ زیر تعمیر مکانات بھی تھے۔جو تعمیر تھے وہاں اس وقت ہلکی ہلکی لائٹیں جل رہی تھیں۔ وہ لوگ اکثر اس راستے سے اپنے گھر کی طرف مڑ جاتے تھے، یہ راستہ اندر گلیوں سے ہوتا انہیں کم وقت میں انکے گھر پہنچا دیتا تھا۔ایمان نے بھی اس راستے سے جلد گھر پہنچنے کا فیصلہ کیا ایسے میں وہ مین روڈ کے ٹریفک سے بھی بچ جائے گی۔اس نے خود کو تسلی دی تھی۔

دائیں گلی سے اسی وقت ایک گاڑی تیز رفتاری سے ایمان کی گاڑی کے سامنے آ کر رکی۔ایمان اگر بر وقت بریک پہ پاؤں نہ رکھتی تو لازماً اسکی گاڑی سامنے والی سیاہ گاڑی سے ٹکرا جاتی۔

ایسے سڑک کے بیچوں بیچ گاڑی روکنے پہ اسے غصہ تو بہت آیا تھا اور وہ اپنے غصے کا اظہار کرنے کیلئے گاڑی

سے نکلنے ہی لگی تھی مگر پھر بجلی کی طرح ایک خیال ذہن میں کوندہ۔رات کے اس پہر، اندھیری سڑک پر اس کی گاڑی کو ایسے روکنا، یہ کوئی مجرمانہ کاروائی بھی تو ہوسکتی ہے۔اور پھر خوف کی ایک سرد لہر اسکے پورے بدن میں سرائیت کرگئی۔اس کا دھیان اسوقت اپنے پرس اور جیولری کی طرف تھا۔

میں سب دیدوں گی۔اخبارات میں آنے والی آئے دن ڈکیتی اور قتل کی وارداتیں جن میں مزاحمت کرنے والے کو نقصان پہنچایا جاتا تھا ذہن میں آتے ہی اس نے سوچا۔

کوئی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اب اسکی طرف آرہا تھا۔اندھیرے میں وہ زیادہ دیکھ نہیں پائی اور پھر پریشانی نے اسے بدحواس بھی کردیا تھا۔

تیزی سے اس نے ایمان کی گاڑی کا دروازہ کھولا اور اس کا بازو سختی سے پکڑ کر اسے باہر نکالا۔

وہ جو بھی تھا اس نے چہرے کو رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔

ایمان نے اس اچانک افتاد پہ چیخنے کیلئے منہ کھولا ہی تھا کہ اس شخص کا مضبوط ہاتھ اسکی ناک تک آیا۔ایمان اور اپنے ہواس کھوتی چلی گئی۔

اسکا سر بھاری ہورہا تھا۔چند لمحے اپنی آنکھوں کو مسل کر اس نے کھولنے کی کوشش کی اور پھر دھندلائی نظروں سے اپنے اردگرد کا جائزہ لیا۔ خود کو اجنبی جگہ پا کر وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھی۔وہ اسوقت ایک بڑے سے آبنوسی پلنگ پہ بیٹھی تھی۔کمرہ کافی کشادہ اور سجاوٹ والا تھا۔بھاری پردے اور قیمتی قالین۔کمرے میں ایک صوفہ نما کرسی بھی رکھی تھی اور ٹانگ پہ ٹانگ رکھے وہ اس کرسی پہ انتہائی اطمینان سے بیٹھا تھا۔ایمان کو اٹھتا دیکھ کر بھی وہ اپنی جگہ پرسکون تھا۔

کون ہو تم اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ وہ تقریباً چیختے ہوئے بولی۔

اسکی آواز کی لرزش اس بات کا واضح ثبوت تھی کہ وہ بے حد خوفزدہ تھی۔

دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

میں پوچھتی ہوں تم ہو کون۔اپنی ہمت ایک بار پھر جمع کرکے وہ بولی۔

کرسی پہ بیٹھے شخص میں حرکت ہوئی، دھیمے قدموں سے چلتا وہ ایمان کے بالکل سامنے آبیٹھا تھا۔ اتنا

قریب کے اب اسے دیکھنے کے لئے ایمان کو اپنی آنکھوں کو گھمانے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

میں تمھیں یہاں کوئی نقصان پہنچانے نہیں لایا بس کچھ پرانا حساب نکلتا ہے۔ایمان کی طرف دیکھتے اس نے معنی خیز نظروں میں کہا۔اسکا لہجہ بہت سادہ مگر پر اثر تھا۔لیکن ایمان اسوقت کچھ نہیں سن پائی۔وہ اسوقت صرف اپنے سامنے بیٹھے اس شخص کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ان آنکھوں کو وہ سینکڑوں میں پہچان سکتی تھی۔

☆......☆......☆

پچھلے دو گھنٹے سے وہ مسلسل رو رہی تھی۔نہ کوئی سوال کیا تھا نہ التجاء،بس خاموشی سے وہ آنکھیں مینہ برسا رہی تھیں۔کچھ دیر وہ اسے روتے دیکھتا رہا اور پھر نہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلاتا دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔

اسکے رونے کی ہلکی ہلکی آواز اب بھی اسے سنائی دے رہی تھی۔

کب یہ رات گزرے اور میں اس مصیبت سے جان چھڑاؤں۔اس نے جھنجھلاتے ہوئے سوچا تھا۔

تمھیں بھوک لگی ہوگی۔کچھ کھا لو۔برگر کا ڈبہ اور کوک کا کین ایمان کے سامنے رکھتے اس نے کہا۔

وہ جواب کچھ دیر سے اپنا رونے کا پروگرام موقوف کر چکی تھی اسے دیکھتے ہی پھر آنسو اس کے رخساروں پہ چلے آئے۔

کندھے اچکاتے ہوئے اس نے ایمان کو دیکھا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

صبح کے چار بجے وہ آیا تو ایمان اسی حالت میں بیٹھی تھی،اس نے کھانے کے سامان کو چھوا بھی نہیں تھا۔فرق صرف اتنا تھا وہ اب سو رہی تھی۔آنسوؤں کی لکیر اسکے گالوں پہ نمایاں تھی،گھٹنوں پہ سر ٹکائے وہ بہت معصوم لگ رہی تھی۔وہ چند لمحے اسکے معصوم حسن کو دیکھتا رہا۔

چلو تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔ایک سنجیدہ آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی تو ایمان نے آنکھیں کھولیں اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

اسکے ہاتھ میں کپڑے کا ماسک تھا جو اس نے ایمان کی طرف بڑھایا،ایمان نے چپ چاپ وہ ماسک پہن لیا۔اب وہ رسی سے اسکے ہاتھ باندھ رہا تھا۔وہ نہیں جانتی تھی اسوقت وہ کہاں ہے اور اسے کتنا وقت یہاں اس کمرے میں بند رکھا گیا تھا۔شائد ایک دن یا پھر چند گھنٹے یا اس سے زیادہ۔سر درد سے پھٹا جا رہا تھا اور بھوک

سے حالت خراب تھی۔

راہداری سے گزار کراب وہ ایمان کو گھر کے باہر لے آیا تھا۔گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اسے گاڑی میں دھکیلا اور پھر دروازہ زور سے بند کر دیا۔تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتا وہ اب گاڑی کو مین گیٹ سے باہر نکال رہا تھا۔

رستہ طویل تھا یا شائد ایمان کو لگ رہا تھا قریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد گاڑی رک گئی تھی۔

میں تمہیں تمہارے گھر کے کونے میں اتار رہا ہوں لیکن جب تک میں گلی سے نکل نہ جاؤں، خبردار تم نے اپنا ماسک اتارا یا شور مچایا ورنہ کبھی دوبارہ اپنے گھر والوں کی شکل نہیں دیکھ پاؤ گی۔ غصیلی آواز میں اسکو دھمکاتا اب وہ ایمان کو پچھلی سیٹ سے باہر نکال رہا تھا۔ایمان چپ چاپ گاڑی سے نکل آئی اور بغیر کسی مزاحمت کے اسکے جانے کا انتظار کرنے لگی۔

گاڑی کی آواز اب دور جا چکی تھی، ایمان نے مرے مرے ہاتھوں سے ماسک کو اپنے چہرے سے جدا کیا۔

سورج ابھی نہیں نکلا تھا اور سڑک پہ خاموشی تھی۔اداس نظروں سے اس نے رستے کو دیکھا جہاں چند لمحے پہلے اس کی گاڑی کے ٹائروں کے نشان بنے تھے۔

کاش ایک بار وہ اس کا چہرا دیکھ پاتی۔ اس نے تاسف سے سوچا اور بوجھل قدموں سے اپنے بنگلے کی طرف چل پڑی۔

☆......☆......☆

رات کے ساڑھے نو بجے عمر کی کال توفیق کمال کے موبائل پہ آئی۔

ڈیڈی مانو کہاں ہے؟ عمر نے پوچھا

کیا مطلب عمر، ایمان گھر نہیں پہنچی اب تک؟ کمال ہے، جہانزیب نے اسے ابھی تک ڈراپ نہیں کیا۔

توفیق کمال عمر کی بات سن کر حیران تھے۔انکے حساب سے سات بجے کی گئی ایمان اب تک گھر پہنچ گئی ہو گی۔

ڈیڈ، ایمان اپنی گاڑی میں گئی ہے اور اب تک واپس نہیں آئی۔عمر نے جیسے بم پھوڑا۔

تم نے چوکیدار سے پوچھا؟ توفیق کمال نے سر پکڑ لیا تھا۔

جی میں ابھی پہنچا ہوں اور ایمان کی گاڑی کو پورچ میں نہ پاکر میں نے چوکیدار سے پوچھا اور اس نے کہا ایمان قریباً چھ بج کر چالیس منٹ پر اپنی گاڑی لے کر گھر سے نکلی تھی اور اب ساڑھے نو سے زیادہ ہو رہے ہیں۔ عمر نے تفصیل بتائی۔

اچھا میں اور تمہاری ممی آ رہے ہیں۔ مختصر بات کر کے توفیق کمال نے لائن کاٹ دی

ایمان ابھی تک گھر نہیں آئی یہ بات پریشانی والی نہ تھی، ایمان ان سے پوچھے بغیر رات کو اپنی گاڑی لے کے باہر نکل گئی اس بات نے انہیں شدید ڈسٹرب کیا تھا۔

دس بجے توفیق کمال اور حرا گھر پہنچے، ایمان اب تک نہیں آئی تھی، ضعیم بھی گھر آ چکا تھا۔ عمر اسوقت گھر میں جلے پاؤں کی بلی کی طرح گھوم رہا تھا۔

اب تک نہیں آئی ڈیڈ۔ توفیق کمال کو اندر آتا دیکھ وہ پریشانی سے بولا

تم نے ایمان کو کال کی؟ انہوں نے تفکر سے پوچھا حالانکہ وہ خود راستے میں کئی بار اسکے سیل فون پہ ٹرائی کر چکے تھے

وہ کال نہیں اٹینڈ کر رہی۔ عمر نے کہا

جہانزیب سے پوچھا؟ حرا نے کہا

نہیں شائد یہ مناسب نہیں۔ توفیق کمال نے برجستہ کہا

وہ نہیں چاہتے تھے کہ سکندر ملک کی فیملی کو اس بات کی بھنک بھی پڑے اور ابھی محض دس ہی بجے تھے، ہو سکتا ہے وہ جہانزیب کے ساتھ ہو۔

لیکن رات کے گیارہ بجے جب ایمان نہیں آئی تو مجبوراً توفیق کمال کو جہانزیب کو فون کرنا پڑا۔

وہ تو پورے نو بجے اداری سے نکل گئی تھی میرے ساتھ ہی اس نے پارکنگ سے اپنی گاڑی نکالی تھی۔ کیا اب تک ایمان گھر نہیں پہنچی؟ جہانزیب نے تفکر سے کہا

نہیں۔ توفیق کمال کی آواز بہت دور سے آئی تھی

اور پھر عمر گاڑی لے کر اسے دیکھنے نکل گیا تھا۔ کیا پتا کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو، یا پھر گاڑی خراب ہو۔ اس

نے سوچا۔لیکن دونوں صورتوں میں ایمان کو فون کرنا چاہیئے تھا۔

پچھلے بلاک میں اسے ایمان کی گاڑی مل گئی تھی، وہ سڑک کے کنارے پارک تھی اور لاک تھی اندر ایمان کا بیگ، سیل فون اور مخمل کا سیاہ ڈبہ، سیٹ پہ رکھا تھا۔ایمان وہاں نہیں تھی۔

سکندر ملک اور جہانزیب بھی کمال ہاؤس پہنچ چکے تھے۔پولیس یا باہر کے کسی بھی فرد کو ایمان کی گمشدگی کی خبر نہیں تھی لیکن سکندر کمال کی فیملی سے یہ بات پوشیدہ نہ رکھی جا سکی تھی، گھر کے ملازمین بھی اس راز سے باخبر تھے۔

پوری رات اس گھر کے ہر فرد نے آنکھوں میں کاٹی، سب کا دھیان فون کی طرف تھا شائد کسی نے اسے تاوان کیلئے اغواء کرلیا ہو۔اس وقت ان کے ذہن میں یہی خیال آیا تھا۔چند ہسپتالوں کی ایمرجنسی میں فون کرنے کے بعد اب اس کے آگے کا لائحہ عمل صرف یہی تھا کے وہ خود کسی خبر کا انتظار کرتے۔

حرا کا رو رو کر برا حال تھا۔وہ سب ہی اتنے متفکر تھے کہ کوئی کسی کو دلاسہ دینے کی کیفیت میں نہ تھا۔ سکندر ملک اور جہانزیب بھی واپس جا چکے تھے لیکن توفیق کمال سے وہ مسلسل رابطے میں تھے۔پوری رات اور پھر اگلا پورا دن سارے گھر نے اذیت میں گزارا۔کیا کیا وہمات تھے، کتنے خدشات۔ایمان کی گاڑی کا گھر کے پاس ملنا اسی بات کا ثبوت تھا کہ اسے اغواء کیا گیا ہے لیکن جب دن میں بھی کسی نے رابطہ نہ کیا تو عمر نے پولیس کو اس معاملے میں انوالو کرنے کا سوچا۔

آج رات دیکھ لو عمر، شائد کوئی صورت نکل آئے۔توفیق کمال نے ٹوٹے لہجے میں کہا۔ایک ہی دن میں وہ کتنے بوڑھے دکھ رہے تھے

ڈیڈ، آپ حوصلہ رکھیں۔انشاءاللہ جلد ایمان مل جائے گی۔عمر نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا

حرا جائے نماز بچھائے سجدے میں گری تھیں۔انکی پھول سی بچی پتا نہیں کن حالات میں ہوگی

اے اللہ میری معصوم بچی کو اپنی حفاظت میں رکھنا۔سجدے میں بس ایک ہی التجا ان کے لبوں پہ جاری تھی۔

صبح کے ساڑھے پانچ کا وقت تھا۔توفیق کمال فجر کی نماز پڑھ کر لونگ روم میں آ گئے تھے۔پچھلی دو راتوں میں وہ چند لمحے بھی نہ سو سکے تھے۔ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔آج عمر نے اپنے ایک جان پہچان والے اے سی پی سے ملنا تھا، وہ اسی کے متعلق سوچ رہے تھے جب مین ڈور پہ بیل ہوئی۔

صبح کے ساڑھے پانچ بجے کون ہو سکتا ہے۔توفیق کمال نے سوچا

بیل مسلسل تھی، جیسے کوئی انگلی اٹھانا بھول گیا ہو۔

چوکیدار دروازہ کھول رہا تھا جب توفیق کمال بھی ڈرائیو وے تک پہنچ گئے۔

ایمان میری بچی۔ایمان کو دروازے پہ دیکھ کر وہ بے اختیار لپکے۔

ایمان نے انہیں دیکھا اور اس کا وجود بے جان ہوتا گیا۔اس سے پہلے کے وہ زمین پہ گر جاتی توفیق کمال نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں سنبھال لیا۔

مسلسل بیل کی آواز سے عمر اور ضعیم بھی اپنے کمروں سے نکل آئے تھے۔سوئے تو وہ بھی نہ تھے اور اب توفیق کمال کو ایمان کو تھامے دیکھ کر فوراً دونوں بھائی آگے بڑھے۔

ایمان کو اس کے کمرے میں پہنچا کے ضعیم حرا کو بتانے بھاگا۔

ایمان کو ہوش آیا تو وہ اپنے کمرے میں تھی۔حرا اسکے بیڈ پہ بیٹھی کچھ پڑھ کر اس پہ دم کر رہی تھی۔ایمان کو ہوش میں آتا دیکھ کر اس نے توفیق کمال کو بلایا۔

ایمان میری بچی۔کیسی ہو میری جان، کہاں چلی گئی تھی۔ایمان کے ماتھے کو چومتے حرا اس سے پوچھ رہی تھیں۔

عمر اور ضعیم بھی وہاں تھے۔وہ سب کو دیکھ کر رونے لگی۔

مانو کیوں رو رہی ہو بچے۔عمر آگے بڑھا۔ایمان کو روتا دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

اور پھر عمر کے پوچھنے پہ اس نے ساری بات بتائی تھی۔

حیرت سی حیرت تھی، کسی نے دیدہ دلیری سے ایمان کو اغواء کیا۔اسے دو راتیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر اپنے پاس رکھا اور بغیر کسی تاوان کے دروازے پہ چھوڑ گیا۔

ایسا کون ان کا دشمن تھا جس نے انہیں اپنی طاقت کا نمونہ دکھایا تھا۔یا پھر وہ غلطی سے ایمان کو لے گیا اور اپنی غلطی کا احساس ہونے پہ ایمان کو واپس چھوڑ گیا تھا۔عمر اور توفیق کمال ایمان کے کمرے سے نکل آئے تھے اور اب اسی بارے میں ڈسکس کر رہے تھے۔

وہ جو بھی تھا عمر، ہماری عزت کو دو کوڑی کا کر سکتا تھا یا پھر کر چکا ہے۔ توفیق کمال نے اپنے بدترین خدشات کا اظہار کیا۔

سکندر ملک اور جہانزیب ایمان کی واپسی کا سن کر ملنے آئے تھے۔ طیبہ ان کیساتھ نہیں آئیں تھیں۔

اللہ کا شکر ہے توفیق، ایمان بحفاظت گھر پہنچ گئی۔ میرا خیال ہے کچھ غلط فہمی ہو گئی ہو گی۔ سکندر ملک نے اپنے لہجے کو خوشگوار کرتے ہوئے کہا لیکن ان کی ہچکچاہٹ کو توفیق کمال محسوس کر گئے تھے۔ جہانزیب خاموشی سے بیٹھا ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔

☆......☆......☆

مجھے تو اس سارے قصے میں ایک پرسنٹ بھی سچ نہیں لگ رہا ہے۔ طیبہ اس سارے واقعے سے اچھی خاصی خائف تھیں۔

سکندر ملک اور جہانزیب ابھی ابھی کمال ہاؤس سے واپس آئے تھے اور طیبہ کو ساری بات بتا رہے تھے۔

بھلا ایسا ہو سکتا ہے لڑکی دو راتیں گھر سے غائب رہے اور اغواء کرنے والا حفاظت سے خود گھر چھوڑ جائے۔

کیا خوب کور سٹوری بنائی ہے توفیق بھائی نے۔ طیبہ اس بات کو کسی صورت ماننے کو تیار نہیں تھیں کہ ایمان اس سب مسئلے میں بے قصور ہے۔

لیکن طیبہ ایمان نے بھی بتایا ہے۔ سکندر ملک نے دھیمی آواز میں کہا

اور اسکا کہا تو حدیث ہے۔ کیا پتا خود ہی کسی کے ساتھ چلی گئی ہو اور اب من گھڑت کہانی سنا کر سب کو بیوقوف بنا رہی ہو۔ طیبہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔

طیبہ خاموش ہو جاؤ۔ میری آنکھوں کے سامنے پلی بڑھی ہے وہ، اسکی تربیت میں کھوٹ نہیں۔ سکندر ملک غرائے۔

مجھ پہ مت چلائیں سکندر، ایمان کا اس سارے قصے میں کوئی قصور نہ بھی ہو تو کیا یہ سچ نہیں وہ دو راتیں کسی غیر مرد کے پاس گزار کر آئی ہے اور کیا جہانزیب اس بات کو اگنور کر دے گا؟ طیبہ خاموش ہونے والیں نہ تھی

جہانزیب ان دونوں کی بحث خاموشی سے سن رہا تھا۔ انکی باتوں سے بیزار ہو کر پیر پٹختا، وہ اپنے کمرے میں

چلا گیا۔اس واقعے نے اس کی عقل سلب کر لی تھی ،توفیق کمال کا جھکا سر اور ایمان کی خاموشی اپنی جگہ لیکن طیبہ کی باتیں، وہ ان کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

کیا اسے ایمان سے خود بات کرنی چاہیے؟ جہانزیب نے سوچا

کیا پوچھوں گا اس سے۔وہ زیر لب بڑبڑایا۔

طیبہ کا دل ایمان سے متنفر تھا کیونکہ وہ ایک روایتی ماں اور ساس کی طرح سوچ رہی تھیں مگر جہانزیب تو ایک روایتی مرد نہ تھا۔اتنے سال ایک آزاد خیال معاشرے میں رہا تھا۔اعلیٰ تعلیم اور پھر اسکی کلاس جہاں لڑکے لڑکیوں کا آپسی میل جول کوئی بڑا ایشو نہیں تھا خود اسکی کتنی لڑکیوں سے یونیورسٹی میں دوستی تھی مگر یہ اسکے ماں باپ کی اچھی تربیت تھی کے وہ کبھی اپنی حد سے آگے نہ بڑھا تھا۔مگر یہ بھی سچ تھا کہ عمر، ایمان اور ضعیم کو بھی ان کے پیرنٹس نے بہت کنزرویٹو انداز میں پالا تھا۔لیکن جہانزیب کے اندر کا روایتی مرد اسے بے چین کر رہا تھا

طیبہ کی باتیں اسے مسلسل پریشان کر رہی تھیں۔دو راتوں سے وہ سویا نہیں تھا۔آفس نہیں گیا تھا اور پھر اس ساری صورتحال سے بچنے کا رستہ اس نے فرار میں ڈھونڈا۔ایک کمزور انسان کی طرح اس نے اس ساری سچویشن سے پیچھا چھڑانے کیلئے لندن جانے کا ارادہ کیا۔

پاپا میں کل لندن جا رہا ہوں۔جہانزیب نے ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے سکندر ملک سے کہا۔

ایسے اچانک۔سکندر ملک کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

میں اس ساری سچویشن سے کافی ڈسٹرب ہوں پاپا اور مجھے لگتا ہے کچھ وقت اس ماحول سے دور رہ کر شائد میں کوئی بہتر فیصلہ کر سکوں۔جہانزیب نے قطعیت سے کہا۔

میرا خیال ہے تم ایک بار ایمان سے مل لو۔سکندر ملک نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

میرا نہیں خیال ابھی اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نکلے گا۔جہانزیب بولا۔

لیکن تمہارے ملنے سے ایمان کو حوصلہ ہو گا۔سکندر ملک اسکے ایمان سے ملے بغیر لندن چلے جانے کا سن کر پریشان ہو گئے تھے۔

ابھی تو میں خود کو ہی سنبھال نہیں پایا۔کسی کو کیا حوصلہ دوں گا پاپا۔آپ پلیز مجھ پہ دباؤ نہ ڈالیں۔میں نہیں

چاہتا اس سب کا کوئی ایسا نتیجہ نکلے جس سے آپ کی دل آزاری ہو۔ جہانزیب نے تلخی سے کہا۔

اور سکندر ملک خاموش ہو گئے تھے۔ جہانزیب کوئی ٹین ایج لڑکا نہیں تھا جس کو سکندر ملک حکم دیتے اور وہ اسکے آگے کچھ نہ بولتا۔ وہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، خودمختار ستائیس سالہ مرد تھا جس کے فیصلے پہ سکندر ملک کا بس نہیں تھا۔ وہ اسے سمجھا سکتے تھے مگر اس پہ اپنے فیصلے مسلط نہیں کر سکتے تھے۔

یہ طیبہ کی سخت باتوں کا اثر تھا کہ جہانزیب ایمان سے ملے بغیر لندن چلا گیا تھا۔

جہانزیب کے لندن جانے سے جہاں توفیق کمال پریشان ہوئے وہیں سکندر ملک شرمندہ تھے لیکن دونوں نے اس بارے میں کوئی بات نہ کی۔

☆......☆......☆

ایمان ان دنوں پہلے سے زیادہ خاموش اور اداس رہنے لگی تھی۔ ایک طرف وہ شخص نہ بھولتا تھا تو دوسری طرف جہانزیب کا اسے کچھ کہے سنے بغیر چلے جانا ایمان کو تکلیف پہنچا رہا تھا۔ وہ جو اپنے ٹوٹے دل کے ٹکڑوں پہ چلتی اس صبح گھر پہنچی تھی، ابھی اس غم سے نبٹنے کا موقع بھی نہ ملا تھا کہ جہانزیب کی بے رخی اور طیبہ کے سرد رویے نے اسے شدید اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ جہانزیب اس سے ایک بار بھی نہیں ملا تھا، اس نے کوئی سوال کیا تھا نہ دلاسہ دیا تھا۔ جو راہ میں آئی پہلی مشکل میں ساتھ چھوڑ جائے وہ تاعمر ساتھ کیا نبھائے گا۔

اے عشق نہ چھیڑ آ آ کے ہمیں

ہم بھولے ہوؤں کو یاد نہ کر

کمرے میں نیرہ نور کی آواز دھیمے سروں میں بج رہی تھی۔

قسمت کا ستم ہی کم نہیں کچھ

یہ تازہ ستم ایجاد نہ کر

یوں ظلم نہ کر، بے داد نہ کر

پچھلے دو ماہ میں ایک بار بھی جہانزیب یا طیبہ نے ان سے رابطہ نہ کیا تھا، سکندر ملک تو مشترکہ کاروبار کی وجہ سے توفیق کمال سے ملتے رہتے تھے مگر ایمان کے حوالے سے دونوں طرف خاموشی تھی۔ وہ آج بھی جہانزیب

کے ساتھ منسوب تھی مگر پچھلے دوماہ میں وہ اپنا مقام جان چکی تھی اور اسے ایک بدگمان رشتے میں قید رہنا منظور نہ تھا۔اسے لگا فیصلہ کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔

ایمان کی خاموشی، اسکا سب سے الگ تھلگ اپنے کمرے میں رہنا، توفیق کمال اور طیبہ کو دن رات پریشان کرتا تھا۔وہ تو پہلے بھی بہت شور مچانے والوں میں شامل نہیں تھی مگر اس حادثے کے بعد بہت چپ چپ رہنے لگی تھی۔انہیں اپنی بیٹی کے اداس چہرے سے تکلیف ہوتی تھی۔ماں باپ کتنے بھی طاقتور کیوں نہ ہوں، بیٹیوں کیلئے وہ بہت بےبس ہوتے ہیں۔

اب وہ سکندر ملک اور طیبہ سے سامنے سے بات کرکے اپنی بیٹی کی قدر گھٹائیں ایسا تو بہرحال ممکن نہ تھا۔

☆......☆......☆

ٹیبل پہ پڑا اسکا موبائل کافی دیر سے بج رہا تھا، عجلت میں اس نے فون کی طرف دیکھا اور پھر اسکرین پہ آنے والے شناسا نمبر کو دیکھ کر اس نے کال اٹینڈ کی۔

ہیلو۔لہجے میں اجنبیت در آئی۔

ہیلو۔۔۔میں ایمان بات کر رہی ہوں۔دوسری طرف خوبصورت آواز میں سنجیدگی تھی۔

ہاں۔کیسی ہو ایمان۔خود کو لاپرواہ پوز کرتے جہانزیب نے کہا

میں ٹھیک ہوں۔آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں، اگر آپ مصروف نہ ہوں تو؟ نپے تلے لفظوں میں ایمان نے کہا۔

نہیں۔ایسی کوئی خاص مصروفیت نہیں۔تم کہو۔اپنے سامنے پڑی فائل بند کرتے اب وہ ایمان کی طرف متوجہ تھا۔

پچھلے دوماہ میں اس نے جب بھی ایمان کے بارے میں سوچا اس کا دل بےقرار ہو جاتا تھا لیکن اس کے اندر کا روایتی مرد ہر بار اسے طیبہ کے الفاظ یاد دلاتا اور وہ خود کو انا کے خول میں بند کر لیتا مگر آج ایمان کی آواز سن کر وہ بےچین ہو گیا تھا۔اسکے معصوم اور دلکش نقوش کسی آبشار کی مانند دل کی شاہراہ پہ لہرانے لگے تھے اور پھر ان کی بوچھاڑ نے اسکی روح میں جل تھل کر دی تھی۔آج میں اپنے گزشتہ رویے کی معافی مانگ لوں گا۔اس نے

سوچا تھا۔

جہانزیب میں کچھ دن میں آپ کو خلع کے پیپر بھجوا رہی ہوں۔ آپ ان پہ دستخط کر کے مجھے بھجوا دیں۔ اچھا ہے تمام باتیں گھر میں ہی ہو جائیں ورنہ عدالتوں کے چکر میں دونوں گھروں کی ساکھ متاثر ہو یہ مجھے مناسب نہیں لگتا۔ ایمان کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

اور وہ جو اپنے دل میں ایمان سے اپنے گزشتہ رویوں کی معافی مانگنے کا سوچ کر مطمئن ہو گیا تھا اسکے لیئے ایمان کی یہ بات کسی بم کی طرح تھی۔

ایمان ۔۔۔۔۔۔میں تم سے۔ لفظ کہیں راستہ بھول چکے تھے۔ اور وہ جواب تک ایمان کو نروس کرتا آیا تھا آج اسکی خود اعتمادی ایمان کے سامنے ہوا ہو گئی تھی۔

آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں جہانزیب، یہ فیصلہ میں نے بہت سوچنے کے بعد کیا ہے۔ جس رشتے کی بنیاد میں یقین کی مٹی شامل نہ ہو۔ رشتے کی وہ عمارت پہلے ہی جھٹکے سے زمیں بوس ہو جایا کرتی ہے۔ ایمان نے تلخی سے کہا۔

مجھے لگا وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جہانزیب نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

آپ جس وقت کی بات کر رہے ہیں میں نے اس وقت میں پل پل اذیت جھیلی ہے۔ بے اعتباری اور بے حسی کو سہا ہے میں نے۔ وقت کی بے رحمی نے کیسے میری روح کو گھاو لگائے ہیں آپ کو تو اس کا احساس بھی نہیں ہے۔ اس وقت نے مجھے کتنی تکلیف دی ہے آپکو اسکا اندازہ ہوتا تو آپ مجھے فون کرتے، میں آپ کو فون نہ کرتی۔ ایمان نے آنسو پیتے کہا۔ پچھلے دو ماہ کی بے بسی آج آنکھوں کے بندھ توڑنا چاہتی تھی۔

لیکن میں نے تم سے کوئی صفائی نہیں مانگی۔ جہانزیب بولا

کیوں نہیں مانگی صفائی؟ حق تھا آپ کو سوال کرنے کا۔ مجھ سے پوچھتے۔ ایمان کیا ہوا تھا اس رات۔ میں بتاتی ۔۔۔ میں سب سچ بتاتی۔ اور نہیں تو کوئی دلاسہ ہی دیتے۔ تسلی کا کوئی لفظ مجھے حوصلہ دیتا۔ مگر آپ نے صرف اپنا سوچا اور آج بھی آپ اپنے بارے میں ہی سوچ رہے ہیں۔ اس نے ہذیانی کیفیت میں کہا

ایمان مجھے لگا وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جہانزیب نے ہار مانتے ہوئے کہا

وقت وہی تھا جب مجھے اپنے شوہر کا اعتماد چاہیئے تھا۔اور پچھلے دو ماہ میں سے اس وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ اور آپ نے کیا کیا؟ آپ نے مجھے میرے نا کردہ گناہ کی سزا دی۔آپ کی خاموشی نے مجھے مجرم ثابت کر دیا۔سزا تو میں بھگت چکی جہانزیب مگر اب مجھ میں تمام عمر کٹہرے میں کھڑے ہونے کا حوصلہ نہیں ہے۔ میں تمام عمر صفائیاں نہیں دے پاؤں گی۔ایمان نے قطعیت سے کہا۔

اس سے پہلے کہ جہانزیب کچھ کہتا دوسری طرف سے لائن کاٹی جا چکی تھی۔

☆......☆......☆

اگلے دن ایمان نے اپنے فیصلے سے توفیق کمال کو آگاہ کر دیا تھا۔وہ ساری زندگی جہانزیب اور اسکے گھر والوں کے سامنے مجرموں کی طرح زندگی گزارے، اس کے ہر قدم کو شک کی نگاہ سے دیکھا جائے اور پھر جو جہانزیب آج ایک حادثے کے باعث اسے کچھ کہے سنے بغیر تنہا چھوڑ گیا وہ کل کسی اور بات پہ اسے اپنی زندگی سے باآسانی نکال سکتا تھا۔

ایمان ٹھیک کہہ رہی تھی۔یہی سچ توفیق کمال کو ایمان سے نظر نہیں ملانے دیتا تھا۔انہوں نے اسکی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ اس سے پوچھے بغیر کیا تھا۔اپنی عقل سے انہوں نے اس کے لیے ایک بہترین ساتھی کا انتخاب کیا تھا۔وہ خوش شکل تھا، اعلیٰ خاندان، دولت اور پھر اسکی تعلیمی قابلیت ان سب سے بڑھ کر تھی لیکن جہانزیب انکی بیٹی کو بیوقعت کر دے، اسکا اعتبار نہ کرے۔انہیں ایمان کے لئے ایسا جیون ساتھی تو نہیں چاہیئے تھا۔

عمر نے خود وکیل سے خلع کے کاغذات بنوا کے جہانزیب کو فیڈیکس کیئے تھے۔انکی ایمان اتنی ارزاں نہ تھی۔

☆......☆......☆

زندگی آہستہ آہستہ اپنی روش پہ واپس آرہی تھی۔ایمان نے اپنا پانچواں سمیسٹر شروع کیا تھا۔عمر اپنی فیکٹری میں مصروف تھا اسکا کام آج کل بہت بڑھ گیا تھا۔ضیغم آج کل امریکہ میں اپنے ایڈمیشن میں مصروف تھا۔توفیق کمال اور سکندر ملک آج بھی مشترکہ کاروبار کر رہے تھے۔ان دونوں میں آج بھی پہلے والی دوستی قائم تھی ایمان

اور جہانزیب کے بارے میں ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔دونوں نے اس معاملے میں رواداری نبھائی تھی۔پچھلے چھ ماہ میں زندگی معمول پہ آ گئی تھی۔

ہسٹری چینل پہ اسوقت فان گوگ میوزیم پہ پروگرام دکھایا جا رہا تھا۔اٹھارویں صدی کے معروف مصور ونسنٹ وان گوگ کی تصاویر جو ایمسٹریم میں واقع ایک میوزیم میں رکھی گئی ہیں اور جس کا نام بھی مصور کے نام پہ ہے۔ایمان پوری یکسوئی کے ساتھ اس پروگرام کو دیکھ رہی تھی۔رنگوں میں بھیگی فیلڈ آرٹ کی مایہ ناز تصاویر، میوزیم کے وسیع دالانوں میں رنگ بکھرے تھے۔ وانگوگ کی مشہور زمانہ پینٹنگ کو دیکھ ایمان کی آنکھوں میں جگنو در آئے تھے۔وہ اس پروگرام کو بہت انجوائے کر رہی تھی۔

کیا ہو رہا ہے ماما کی جان۔۔۔۔حرا وارفتہ نظروں سے بیٹی کو دیکھتیں اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

کچھ خاص نہیں مما، بس یہ پروگرام دیکھ رہی تھی۔اس نے ٹی وی کی طرف اشارہ کرتے کہا۔

کچھ خاص نہیں، تو پھر چلو میرے ساتھ۔حرا نے مسکراتے ہوئے کہا

کہاں جانا ہے۔ایمان اس پروگرام کو ہرگز مس کرنے کے موڈ میں نہ تھی۔

آج ایک ایگزیبیشن ہے لان کی سوچا آج دونوں ماں بیٹی تھوڑی شاپنگ کر آئیں۔حرا نے اسے اپنا پروگرام بتایا۔

مما، آپ کو پتا ہے مجھے یہ شاپنگ کافی بور لگتی ہے۔ایمان نے جان چھڑانے کی غرض سے کہا

جی۔۔۔۔آپ کو تو رومنٹک غزلیں، آرٹ گیلیریز اور کتابوں کے سوا سب کچھ بورنگ لگتا ہے۔لیکن ابھی تو ہم شاپنگ پہ ہی جائیں گے۔حرا نے اس کا موڈ بھانپ لیا تھا اور اب ذرا حکمیہ لہجہ بنا کر بولیں۔

اچھا تو پھر چلیں۔ایمان نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں آگے پیچھے کمرے سے باہر نکل آئیں۔

سفید کاٹن نیٹ کے ایمبر ایڈری والے لمبے کرتے پہ بڑا سا دوپٹہ اور چوڑی دار پاجامہ، آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پہ لپ گلوس لگائے وہ آج بھی اپنی دلکش سادگی میں دل کو چھو لینے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔

ہیلو حرا۔۔۔ہوٹل کی لابی سے نکلتے کسی نے انہیں آواز دی تھی۔دونوں نے ایک ساتھ پیچھے مڑ کر دیکھا۔

ہیلو امیرہ۔حرا نے پہنچاتے ہوئے گرمجوشی سے کہا۔

کتنے دنوں بعد نظر آئی ہو، لاسٹ ویک مرتضٰی صاحب کے گھر پارٹی تھی تم وہاں بھی نہیں آئی۔ارے یہ ایمان تو ماشاءاللہ بہت کیوٹ ہوگئی ہے۔حرا سے شکوہ کرتے اب وہ ایمان سے مل رہی تھیں۔

بس آجکل ضعیم کے ایڈمیشن کا سلسلہ چل رہا ہے کچھ توفیق بزی ہیں تو گیٹ ٹوگیدرز میں کم ہی جایا جاتا ہے۔ حرا کو اپنی مصروفیت کا بتاتے انہوں نے اپنے پارٹی میں نہ آنے کا بہانہ تراشہ۔ورنہ پچھلے ہفتے اور اس سے پہلے ایسی کئی محفلیں جہاں طیبہ کی شرکت لازمی تھی وہ نہیں جایا کرتی تھیں۔توفیق کمال بھلے سکندر ملک سے اپنی دوستی نبھائیں مگر حرا کو انکی فیملی سے ملنے میں کوئی انٹرسٹ نہیں تھا۔

دراصل میں تمہیں فون کرنے ہی والی تھی اور تم سے یہاں ملاقات ہوگئی۔امیرہ جاوید نے کہا۔

ممی میں گاڑی میں ہوں یہ بیگ رکھ دوں۔ایمان نے ہاتھ میں پکڑے چند لفافوں کی طرف اشارہ کیا۔ شائد وہ اب ان کی باتوں سے بیزار ہو رہی تھی اور ان محترمہ کی کسی کہانی میں اسے تو کوئی دلچسپی نہ تھی اسلیئے لابی سے نکل کر وہ پارکنگ کی طرف چل پڑی۔

اچھا نیکسٹ ویک اینڈ کا کیا پلان ہے۔امیرہ کی آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی تھی۔اب وہ مین گیٹ تک پہنچ چکی تھی۔

ممی آپ یہاں ہیں اور میں آپ کو ساری جگہ دیکھ چکا ہوں۔خوبصورت لہجے میں کہتا وہ ان دونوں کے قریب آگیا۔

ارے احمر۔۔۔۔۔کیسے ہو بیٹا۔حرا نے پیار سے پوچھا

میں بالکل ٹھیک ہوں آنٹی۔آپ کیسی ہیں اور توفیق انکل۔اس نے خوش اخلاقی سے کہا۔

چھ فٹ قد۔گندمی رنگت، اٹھی ہوئی ناک، آنکھوں میں ذہانت اور سنجیدگی۔دلکش نقوش اور خوبصورت لب و لہجہ غرضیکہ وہ بھرپور مردانہ وجاہت کا حامل تھا۔وہ اور عمر ہم عمر تھے۔حرا نے آج اسے لمبے عرصے بعد دیکھا تھا۔

آپ یہاں ہیں اور پاپا مجھے کہہ رہے ہیں تمہاری ممی یقیناً ایگزیبیشن دیکھنے چلی گئی ہیں۔میں ابھی ہال کا چکر لگا کہ آیا ہوں۔ مسکراتا ہوا، اب وہ امیرہ سے بات کر رہا تھا۔

مجھے حرا نظر آ گئی تو میں اس سے ملنے چلی آئی۔ احمر سے کہہ کر وہ حرا کی طرف پلٹیں۔

اچھا حرا اس ویک اینڈ میں اور جاوید تمہاری طرف آنا چاہ رہے تھے۔ کوئی پروگرام تو نہیں تم لوگوں کا؟ امیرہ نے جلدی سے کہا۔

احمر کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

نہیں کوئی خاص پروگرام نہیں۔ یو آر موسٹ ویلکم۔ حرا نے خوشدلی سے کہا۔ حالانکہ وہ کافی حیران تھیں کہ امیرہ جاوید اتنے سالوں میں پہلی بار انکے گھر آنے کا کہہ رہی ہے۔ اپنی حیرت کو ان دونوں سے چھپاتے انہوں نے بائے کہا اور پارکنگ کی طرف چل پڑیں۔

جاوید حسن، ٹیکسٹائل انڈسٹری میں ایک مقبول نام تھا۔ توفیق کمال اور وہ ایک ہی کاروبار میں ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے اچھا تعارف رکھتے تھے۔ کاروباری اور پرسنل پارٹیوں میں اکثر ملاقات رہتی اور امیرہ جاوید سے حرا بھی انہی پارٹیوں میں ملتی جلتی تھیں۔ انکے دونوں بیٹوں، احمر اور شیراز سے بھی اچھی طرح واقف تھیں۔ مگر آج پہلی بار امیرہ ان کے گھر آنے کی بات کر رہی تھیں۔ اس بات نے حرا کو ہی نہیں توفیق کمال کو خاصہ حیران کر دیا تھا۔

ایمان کو اس دن تمھارے ساتھ دیکھا تو بس میں نے سوچ لیا تھا میرے احمر کیلیے ایمان ہی بہترین میچ ہے۔

ڈنر کے بعد جاوید حسن، امیرہ جاوید، توفیق کمال، حرا اور عمر ڈرائینگ روم میں بیٹھے تھے کافی کا سپ لیتے امیرہ نے اپنی آمد کا مقصد بتایا۔

ایمان اور احمر کی شادی؟ حرا کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت تھی۔ جبکہ توفیق کمال نے حرا کو پرسکون چہرے سے دیکھا تھا۔ عمر نے پہلو بدلا تھا۔

آپ لوگوں کو کوئی اعتراض ہے کیا؟ امیرہ نے حرا کے اس سوال پہ مخمصے سے پوچھا

سچ توفیق بھائی۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے ایمان ہی وہ خوشی کی کرن ہے جو میرے گھر میں روشنی بھر دے گی۔ امیرہ نے فرط جذبات سے کہا۔

بھلا ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ توفیق کمال کی زبان سے نکلے الفاظ نے حرا کو پرسکون کر دیا تھا۔ احمر کو دیکھ

کران کے دل میں بھی یہی بات آئی تھی۔ اتنا ہونہار اور خوش شکل لڑکا، کاش یہ انکی ایمان کا نصیب ہو سکتا۔ مگر پچھلے نو سال سے ایمان اور جہانزیب کا نکاح زبان زد عام تھا۔ اور پھر ان دونوں کی طلاق ۔۔۔۔ یہ بات تو صرف دونوں خاندانوں کے درمیان تھی۔ ایسے میں کون سامنے سے ایمان کی شادی کا ذکر کرتا۔

لیکن ان لوگوں کو کیسے پتا چلا کہ ایمان اور جہانزیب کا طلاق ہو چکا ہے۔ حرا نے سوچا۔

احمر جاوید ۔۔۔۔ جاوید حسن کا ہونہار بیٹا۔ جس نے دو سال پہلے انکا بزنس جوائن کیا اور ایک مختصر عرصے میں اپنی پہچان بنائی تھی۔ ایمان کے لیئے احمر سے بہتر رشتہ توفیق کمال کہاں تلاش کر سکتے تھے اور پھر جس چاہ سے انہوں نے ایمان کے لیئے سوال کیا تھا۔ توفیق کمال کفران نعمت نہیں کرنا چاہتے تھے۔

انکار کی تو کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ پھر بھی توفیق کمال، ایمان سے ایک بار پوچھنا چاہتے تھے۔ اس لیئے انہوں نے وقت مانگا تھا۔

آپ کو جو مناسب لگتا ہے، آپ وہ فیصلہ کریں۔ مجھے آج بھی آپ کے کسی فیصلے سے اختلاف نہیں ہے۔ ایمان نے پختہ لہجے میں کہا۔ ابھی ابھی توفیق کمال، ایمان کے کمرے میں اس کی رائے جاننے آئے تھے اور ایمان نے انہیں کہہ دیا تھا کہ انہیں اس کے لیئے کوئی بھی فیصلہ کرنے میں اسکی کی اجازت درکار نہیں ہے۔

انہوں نے شفقت سے بیٹی کے سر پہ ہاتھ رکھا اور دل میں اسکی اچھی قسمت کی دعا کرتے نم آنکھوں سے باہر نکل آئے۔

ڈیڈ، احمر جاوید ہی کیوں؟ عمر نے ناراض لہجے میں توفیق کمال سے کہا۔ وہ اپنی اسٹڈی میں تھے اور ابھی ابھی عمران سے اس رشتے کے متعلق بات کرنے آیا تھا۔

عمر تمھیں ابھی کچھ وقت لگے گا ذہنی پختگی آنے میں۔ توفیق کمال نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

لیکن ڈیڈ، احمر کوئی واحد رشتہ تو نہیں ہے مانو کے لیئے۔ ہم کوئی بہتر لڑکا ڈھونڈھ سکتے ہیں۔ عمر نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

اور احمر میں کیا خرابی ہے؟ توفیق کمال نے سوالیہ نظروں سے عمر کی طرف دیکھا۔

عمر نے نچلا لب دانتوں سے کاٹا۔

عمر کمال، کاروبار اور ذاتی زندگی کو الگ رکھو۔ میں آج تک اس فرق کو لے کر چلا ہوں اسی لیئے میرے دشمنوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ توفیق کمال نے سنجیدگی سے کہا۔

عمر پیر پٹختا اسٹڈی سے باہر آ گیا۔

توفیق کمال جانتے تھے احمر، ایمان کے لیئے بہترین ساتھی ہے وہ اسکی سلجھی ہوئی طبیعت اور تحمل مزاجی سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور پھر کسی بھی لمبے چوڑے پروگرام کے بجائے دونوں گھروں نے ڈائریکٹ شادی کو ترجیح دی تھی۔ ضعیم کا سمیسٹر شروع ہونے والا تھا اور اسے امریکہ جانا تھا اس سے پہلے وہ ایمان کی شادی اٹینڈ کرنا چاہتا تھا۔ حرا نے ایمان سے احمر کو ملنے کا پوچھا تھا جسے ایمان نے صاف منع کر دیا تھا۔ اس نے اپنی قسمت کا فیصلہ اپنے ماں باپ کے ہاتھ میں چھوڑا تھا، جب وہ نہیں تو کوئی بھی سہی۔ ان گہری آنکھوں کو یاد کرتے اس نے سوچا تھا جواب بہت مدت سے اسکے خوابوں میں نہیں آتی تھیں۔ جب سے اس نے ان جیتی جاگتی آنکھوں کو اپنے قریب دیکھا تھا ایمان کو وہ خواب آنا بند ہو گیا تھا۔

تجھے خواب ہی میں دیکھوں، یہ بھرم بھی آج ٹوٹا
تیرے خواب کیسے دیکھوں، مجھے نیند ہی نہ آئی

☆......☆......☆

ایمان کی رخصتی ہو چکی تھی۔ ارمانوں کی سیج پہ وہ دلہن بنی بیٹھی تھی۔ اٹالین کنٹمپریری فرنیچر سے سجا کشادہ کمرہ، اپنے مکین کے اعلیٰ ذوق کا ترجمان تھا۔

احمر نے منع کر دیا۔ ورنہ میری تو خواہش تھی فلورل ارینجمنٹ کروانے کی۔ امیرہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ شاید وہ سوچ رہیں تھیں ایمان کا کمرہ نئی دلہن کو مایوس کرے گا۔

بلیک گلاس ٹیبل پہ ایک نفیس گلدستہ سجا تھا۔ جس میں سفید ٹیوب روز کے ساتھ کاسنی سپرنگ آئرس اور للی تھے۔ کمرہ کسی بھی برائیڈل ڈیکور سے عاری تھا۔

سیاہ اٹالین سٹائل بیڈ پہ بیٹھے اس نے ایک طائرانہ نگاہ کمرے پہ ڈالی۔ دائیں طرف ایک سیاہ لیدر کا سیکشنل صوفہ رکھا تھا۔ اسکے سامنے سیاہ شیشے والی کافی ٹیبل جس پہ وہ سفید اور کاسنی پھولوں والا دلنشین گلدستہ رکھا

تھا۔ سامنے کی دیوار پہ ٹی وی اسکرین لگی تھی جس کے ساتھ دیوار میں انٹرٹینمنٹ سیٹ فکس تھا۔ کچھ میوزک سی ڈیز بھی ایک ریک میں قرینے سے لگی تھیں۔

احمر کا میوزک سینس بہت اچھا ہے۔ عاشق ہے وہ کلاسیکل میوزک اور غزلوں کا۔ ایمان کو میوزک سسٹم کی طرف دیکھتا پا کر امیرہ نے بتایا۔

ایمان نے مسکرا کر سر جھکا دیا۔

احمر کا مزاج کافی مختلف ہے، اسے آرٹ، میوزک اور کتابوں سے عشق ہے۔ اپنی پڑھائی کے دوران بھی اس نے یونیورسٹی میں کم اور آرٹ گیلریوں میں زیادہ وقت گزارا ہے۔ وہ اب مزید بتا رہی تھیں اور احمر کی باتیں کرتے ان کے لہجے میں جو اسکے لیئے چاہت تھی وہ ایمان کو بتا رہی تھی کہ امیرہ جاوید اپنے بیٹے کی ہر عادت اور شوق کو دل وجان سے چاہتی ہیں۔

کمرے کے سرمئی ٹائل فلور پر بچھے نفیس قالین کمرے کے ڈیکور کو چار چاند لگا رہے تھے۔ کینزن رگ پہ تو ایمان کی نظر کمرے میں داخل ہوتے ہی پڑ چکی تھی۔

احمر کو میں اکثر کہتی ہوں، تمھیں ٹیکسٹائل انجنیئر نہیں کوئی شاعر یا مصور ہونا چاہیئے تھا۔

اچھا تو احمر صاحب ٹیکسٹائل انجینئر ہیں۔ امیرہ نے اسکی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

تم بیٹھو۔ میں احمر کو بھیجتی ہوں۔ امیرہ آنٹی نے اسکے گالوں کو چھوتے ہوئے کہا تھا۔ ان کے لہجے میں محبت کے سارے رنگ تھے۔

ایک گھنٹے بعد احمر نامہ ختم ہوا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

میرون رنگ کے قیمتی برائیڈل لہنگے میں اسکا دلکش حسن نکھر آیا تھا۔ گلے میں نفیس ڈائمنڈ اور روبی کا نیکلس جو اسکی بیوٹی بون کو نمایاں کر رہا تھا۔ کہنیوں تک ہاتھوں میں رچی مہندی کے خوشنما رنگ اور ان میں بھری طلائی چوڑیاں۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں خود کو ایک نظر دیکھا۔

کاش وہ آنکھیں آج مجھے دیکھ پاتیں۔ اپنے سراپے کو دیکھتے اسکے دل نے کتنی شدت سے یہ خواہش کی تھی۔ بوجھل قدموں سے وہ بیڈ کی طرف بڑھی اور پہلی بار اس نے بیڈ کی سامنے کی دیوار پہ لگے فریم کو دیکھا۔

http://sohnidigest.com

اسکے قدم رک گئے۔

Starry Night Over The Rhone

کی نقل قیمتی فریم میں لگی تھی ۔بیڈ کے اوپر پہلی نظر میں دیکھنے والے کو وہ پینٹنگ نہیں بلکہ کوئی کھڑکی یا چوکھٹہ معلوم ہوتا تھا جہاں سے آسمان دکھائی دے رہا ہوں۔گیس لیمپوں کی ٹمٹماتی روشنیوں کا عکس۔فان گوگ کا فیلڈ آرٹ، بالخصوص یہ پینٹنگ ایمان کو بے حد پسند تھی۔۔۔۔ایمان کو لگا آج کے دن میں اس سے اچھی بات شائد ہی ممکن ہو۔

دروازے پہ ہلکی سی آہٹ ہوئی تھی۔وہ چونکی اور جلدی سے بیڈ پہ واپس بیٹھ گئی۔اسوقت کمرے میں احمر کے سوااور کون آئے گا۔اس نے سوچا۔

ویسے یہ شادی کافی مشکل کام نہیں۔بہت تھکاوٹ ہو گئی آج تو۔تم بھی یقیناً تھک گئی ہو گی۔وجیہ آواز میں بے تکلفی سے بولتا وہ بیڈ پہ کافی ریلیکس موڈ میں بیٹھا تھا۔جیسے ایمان کو برسوں سے جانتا ہو۔

وہ مدھم سا مسکرائی۔اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

مجھے خواتین کی شاپنگ کا کوئی تجربہ نہیں ہے لیکن یہ ڈی بیئرز کی ایٹرنٹی کلیکشن ہے، میں امید کرتا ہوں تمھیں پسند آئے گی۔اسکا نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس نے ایک قیمتی ہیرے جڑی انگوٹھی ایمان کی انگلی میں پہنائی۔

اس نے پلکوں کو ہلکی سی جنبش دی اور اپنے ہاتھ کو دیکھا جواب تک احمر کے ہاتھ میں تھا۔

میں اتنا گیا گزرا بھی نہیں کہ آپ کی ایک نظر التفات کے قابل بھی نہ ہوں۔گھمبیر لہجے میں کہتا وہ ایمان سے شرارت کے موڈ میں تھا۔

ایمان کو احمر کے اس جملے نے کافی خجل کیا۔وہ ان لفظوں کا مطلب جانتی تھی۔شادی سے پہلے ایمان نے حرا اور توفیق کمال کو احمر سے ملنے یا تصویر دیکھنے سے منع کر دیا تھا اور شائد یہ بات احمر کے علم میں تھی۔

ایمان نے آہستہ سے پلکیں اٹھائیں۔اور کچھ کہنے کے لئے لب کھولے۔

اسکی نظریں احمر کی ٹھوڑی سے ہوتیں، اسکے بھرے بھرے ہونٹوں پہ گئیں۔اسکے اوپر والے ہونٹ کا کٹاؤ

بہت واضح تھا۔اسکی ناک ستواں اور مغرور تھی۔اسکی گندمی رنگت میں اسکے چہرے کے نقش سونے پہ سہاگہ تھے۔ اسکی آنکھیں۔۔۔۔۔۔ایمان کی نظریں اسکی آنکھوں پہ گئیں۔وہ آنکھیں۔۔۔۔۔گہری سیاہ تھیں۔ان میں کسی وادی سا سکوت تھا، ان میں سو بھید تھے، ان کو دیکھ کر صرف عشق ہو سکتا تھا۔وہ کسی جزیرے سا اسرار رکھتی تھیں۔ ان آنکھوں کو دیکھ کر ایمان پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی۔اسکے بھنویں بھری بھری اور پیشانی چوڑی تھی جس پہ بکھرے سیاہ بال۔

ایمان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ان آنکھوں نے کیا کیا طوفان مچائے تھے اسکی زندگی میں اور آج ایک بار پھر، یہ اتنی ہی زندگی سے بھرپور اسے دیکھ رہی تھیں۔شائد وہ اپنے تخیل کی انتہا پہ تھی کہ آج پھر اسکا خواب سچ بن کر اسکے سامنے آ بیٹھا تھا۔ابھی چند لمحے پہلے اس نے خواہش کی تھی کہ یہ آنکھیں اسے آج دیکھ سکتیں۔تو کیا دل میں اٹھی وہ تمنا اتنی شدید تھی یا پھر کوئی قبولیت کا وقت تھا کہ وہ بن مانگی دعا کی طرح سامنے آ گیا تھا۔

کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا؟ کب تک میں اس آسیب میں گرفتار رہوں گی؟ کیوں زندگی تنگ کرتے جا رہے ہو مجھ پر؟ چلے کیوں نہیں جاتے میری زندگی سے؟ وہ ہذیانی کیفیت میں چلا رہی تھی اور احمر ہکا بکا اسے دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

پچھلے دو گھنٹے سے وہ ٹیرس میں بیٹھا تھا۔کرسی کی بیک سے سر ٹکائے ٹانگیں اس نے سامنے پڑی میز پہ رکھی ہوئی تھیں۔ یہ رات اسکی زندگی کی طویل ترین رات تھی۔وہ بے شمار سگریٹ پھونک چکا تھا اور نیند سے اس کے پپوٹے دکھ رہے تھے۔لیکن اسکا دماغ اسے پندرہ سال پیچھے لے گیا تھا۔

اپنے مڈل سکول میں ہونے والے انگلش لینگویج پروجیکٹ کیلیے موضوع کا انتخاب وہ کر چکا تھا۔پیر جل ابیوز اور اگنورنس کے موضوع کو اس نے سلائیڈوں اور انگلش شاعری سے ڈسپلے کرنا تھا۔اور پچھلا پورا ہفتہ اس نے اس کام کی نظر کیا تھا۔

تم تو تقریباً اسے پورا کر چکے ہو احمر۔اسکے بہترین دوست نے اسے سراہا۔

بس اب اسکو چارٹ پہ بنانا باقی ہے۔مجھے یقین ہے میرا کونسیپٹ سب سے الگ ہو گا۔اس کی آنکھوں میں

جیت کا جذبہ تھا۔

ایک ہفتے بعد اسکول آڈیٹوریم میں پیرنٹل ابیوز اور اگنورنس کے موضوع پر ایک نہیں دو پروجیکٹ ڈسپلے ہوئے جن کی سلائیڈز اور انداز بھی کافی ملتا جلتا تھا۔ احمر کے پروجیکٹ کو مقابلے میں رکھنے سے منع کر دیا گیا کیونکہ دو پروجیکٹس ایک دوسرے کی کاپی تھے۔

احمر خفا ہونے سے زیادہ حیران تھا۔ عمر کمال اسکا بہترین دوست تھا اور وہ ہمیشہ اپنی نصابی و غیر نصابی سرگرمیاں عمر سے ڈسکس کرتا تھا مگر ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ عمر نے اپنے ذہن سے کام کرنے کی بجائے پورا پروجیکٹ کاپی کر لیا تھا۔

اور پھر یہ اکثر ہوا جب عمر خاموشی سے احمر کی باتیں سن کر اسکے موضوعات کو نقل کر لیتا۔ لیکن احمر اسے کچھ بھی کہنے کی بجائے فراخدلی سے اگنور کر دیتا۔ عمر اسکا بہترین دوست تھا اور اسے یہ دوستی بہت عزیز تھی۔

ہائی سکول میں برناڈ شاہ کے

Androcles And The Lion

یہ ڈرامہ ہونا تھا۔ جس کیلئے ہفتے کے دن فائینل آڈیشن تھے۔ اسکول میں چھٹی ہوتی تھی اسی لئے ڈرامیٹک سوسائٹی نے یہ دن منتخب کیا تھا تاکہ طلبا کی پڑھائی کا حرج نہ ہو۔ جمعہ کی شام میں عمر کا فون آیا اور یہاں وہاں کی بات کرنے کے بعد اس نے احمر سے کہا کہ کل آڈیشن منسوخ ہو چکے ہیں اور اب نیا نوٹس پیر کو لگے گا۔

کیا واقعی۔ میں جلدی نکل گیا تھا اس لئے نوٹس بورڈ پہ نظر نہیں پڑی۔ احمر نے حیرت سے کہا۔

ہاں کل آڈیشن نہیں ہونگے۔ میں نے دیکھا تھا جا کر نوٹس بورڈ پہ لکھا تھا۔ میں سمجھا تمھیں علم ہوگا۔ عمر نے سنجیدگی سے کہا۔

اچھا ہوا تم نے بتا دیا ورنہ میرا تو بیکار میں چکر لگتا۔ احمر، عمر کا ممنون تھا جس نے اسے بروقت بتا دیا۔

اور پھر اسی شام اپنی فیملی کے ساتھ وہ اپنے فارم ہاؤس چلا گیا تھا۔ پیر کو مین نوٹس بورڈ پہ آڈیشن کے فائینلسٹ کی لسٹ تھی جس میں عمر کا نام Androcles کے کردار کیلئے لکھا تھا۔

اس واقعے کے بعد احمر نے دوبارہ عمر سے کبھی بات نہیں کی تھی۔ وہ صلح جو طبیعت رکھتا تھا اور اس میں

برداشت بہت تھی لیکن اس بات نے اسے اتنا دلبرداشتہ کیا تھا کہ اس نے اپنا او لیول مکمل کرنے کی بجائے دو ماہ بعد ہی اپنا امیگریشن زیورچ کے سیکنڈری سکول میں کروا لیا تھا۔عمر سے اب اسکا رابطہ مکمل ختم ہو چکا تھا۔

یورپ میں اسکی دلچسپیوں کے ڈھیروں سامان موجود تھے۔وہ آرٹ کا دلدادہ تھا اور یورپ میں آرٹ اور کلچر کی دنیا آباد تھی۔عمر کی مقابلہ بازی کو اس نے ایک برے حادثے کی طرح فراموش کر دیا تھا۔وقت بڑے بڑے حادثے بھلانے کی قدرت رکھتا ہے یہ تو پھر دو دوستوں کی رقابت تھی۔

تین سال پہلے اس نے کیلی فورنیا اسٹیٹ یونیورسٹی سے اپنا پوسٹ گریجویشن مکمل کیا تھا اور پاکستان میں جاوید حسن کے کاروبار کو جوائن کیا تھا۔اسکا ارادہ ایک نیا اسٹچنگ یونٹ کھولنے کا تھا۔دنیا بھر میں جانی مانی برانڈز پولو اسپورٹس اور چیپس رالف لارین سے لے کر گیپ اور کیلون کلائن تک پولو شرٹس کی سپلائی تیسری دنیا سے تعلق رکھنے والے ممالک بالخصوص پاکستان سے ہوتی ہے۔لیبل کسی بھی امریکن یا یورپین کمپنی کا لگا کر پاکستانی اسٹچنگ یونٹس میں کام کرنے والے لاکھوں ملازمین کم پیسوں میں یہ کام کرتے ہیں جنھیں بین الاقوامی مارکیٹ میں ڈالروں میں فروخت کیا جاتا ہے۔فیکٹری مالکان بھی ان شپ منٹوں سے کروڑوں کماتے ہیں۔اکثر سڑک کنارے بکنے والی دو سو روپے کی پولو شرٹیں انہی شپ منٹوں میں کوالٹی کنٹرول سے نکلنے والا کنڈم مال ہوتا ہے۔

احمر کا پلان تھا کہ ایک ایسا اسٹچنگ یونٹ جہاں ملنگ، ڈائینگ، کٹنگ اور اسٹچنگ کی تمام سہولیات کو ایک چھت کے نیچے منتقل کر دیا جائے۔اس کے علاوہ ورکرز کے لئے رہائش کا انتظام بھی اسی جگہ ہو۔چند غیر ملکی کمپنیوں سے وہ پہلے ہی اس سلسلے میں بات چیت کر چکا تھا۔

میرا خیال ہے پاپا رائیونڈ والی زمین فائنل کر دی جائے۔احمر نے جاوید صاحب سے کہا۔وہ اسوقت ان کے آفس میں بیٹھا تھا اور اپنے پراجیکٹ کیلئے دیکھے جانے والے ڈیڑھ سو کنال رقبے کے پلاٹ سے متعلق بات کر رہا تھا۔

بالکل۔لوکیشن بہترین ہے اور پیسے بھی مناسب۔تم جلد ہی بیعانہ کر لو۔جاوید حسن نے کافی کا سپ لیتے احمر سے کہا۔

ٹھیک ہے تو پھر میں کل ہی مقصود صاحب سے بات کر لیتا ہوں۔میرا خیال ہے اس ہفتے میں ڈیل ہو جائے

گی۔احمر نے کافی کا آخری گھونٹ بھرا۔

تم نے کاغذات کی پڑتال کروالی ہے۔جاوید صاحب اب ایک فائل کھول رہے تھے۔

جی پاپا۔کاغذات چیک کروا کر ہی میں نے آپ سے بات کی تھی۔احمر نے سنجیدگی سے جواب دیا

پھر تو مسئلہ ہی ختم۔اب تمھیں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔جاوید صاحب نے مسکرا کر کہا۔

اچھا پھر میں ڈیلر کو کل ٹوکن کا کہہ دیتا ہوں۔جاوید صاحب کی مصروفیت کو بھانپ کر احمر نے سیٹ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

گڈ۔جاوید صاحب نے مسکرا کر اسکی طرف دیکھا اور نظریں دوبارہ فائل پہ جھکا لیں۔

اگلے چند دنوں میں ٹوکن ہو چکا تھا۔کاغذات کی جانچ پڑتال پہلے ہی مکمل تھی بس اب آخری مرحلہ زمین کی ملکیت کا انتقال اور زمین کی مالیت کی بنک میں منتقلی تھا کہ ایک فون کال نے احمر کی ساری پلاننگ ملیا میٹ کر دی۔

مقصود صاحب یہ بچوں کا کھیل ہے؟ بیعانہ ہو چکا ہے۔ڈیل فائنل ہے اب اچانک وہ لوگ کیسے ہمیں زمین بیچنے سے انکار کر سکتے ہیں۔

احمر کو ابھی رئیل اسٹیٹ ڈیلر کی کال آئی تھی اور اس نے جیسے احمر پہ یہ بات کہہ کر بم پھوڑا تھا کہ وہ پارٹی بیعانہ واپس کر رہی ہے اور اب زمین احمر کو نہیں بیچنا چاہتے ہیں۔

احمر صاحب وہ ڈبل ٹوکن واپس کر رہے ہیں۔مقصود صاحب نے اطلاع دی

مائی فوٹ۔سر میں ماریں انکے ڈبل پیسے۔احمر نے غصے سے میز پہ ہاتھ مارا۔

سر بات دراصل یہ ہے وہ زمین انکے کوئی جاننے والے خریدنے میں دلچسپی رکھتے ہیں اور وہاں سے انھیں آفر بھی ہم سے زیادہ مل رہی ہے۔مقصود صاحب نے اصل وجہ بتائی۔

تو پہلے وہ جاننے والے سوئے ہوئے تھے۔کمال ہے کوئی پروفیشنل ایتھکس ہی نہیں ہیں۔احمر نے جل کر کہا۔

سر میں آپ کو دوسری لوکیشن دکھا دیتا ہوں۔اس سے بہتر قیمت۔۔۔۔

خریدار کون ہے؟ مقصود کی بات ابھی نامکمل ہی تھی کہ احمر نے سوال کیا۔

عمر کمال۔۔۔۔۔۔مقصود نے کہا تھا۔

دوسری طرف لائن منقطع ہو چکی تھی۔

عمر کمال۔۔۔۔۔۔۔کسی زمانے میں اسکا بہترین دوست اور اسکا بدترین حریف۔

اس بار میں تمھیں معاف نہیں کروں گا عمر کمال۔احمر نے غصے سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

ان دنوں اس پہ شدید ڈپریشن طاری تھا اور ایسے میں ممی کو اپنے کزن کی بیٹی کی شادی پہ اسے ہر حال میں لے کر جانا تھا۔

احمر تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟ امیرہ کی آواز پہ اس نے چونک کے دیکھا تھا۔

اتنی قریبی رشتے داری ہے ہماری تم نہ گئے تو کتنا معیوب لگے گا۔انہوں نے التجائیہ نظروں سے بیٹے کو کہا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تیار ہونے چلا گیا تھا۔

آج مہندی تھی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس میں امیرہ کی فرمائش پر شامل ہو رہا تھا۔مہندی کا فنکشن ڈیفنس کلب میں تھا اور وہ لوگ وقت سے پہلے ہی وہاں موجود تھے۔وہ ہال سے نکل رہا تھا جب اس نے اصغر انکل کے ساتھ عمر کو دیکھا۔اکیس بائیس سال کی ایک لڑکی اسکے ساتھ ساتھ تھی اور جس طرح اس نے عمر کا بازو پکڑا ہوا تھا اسے اندازہ ہو رہا تھا یہ لڑکی اسکے کافی قریب ہے۔

کیا یہ عمر کی بیوی ہے یا پھر بہن۔وہ کچھ حتمی فیصلہ نہ کر سکا تھا۔عمر کو لان چیئر پہ اصغر انکل کے ساتھ بیٹھتے دیکھ کر وہ غصے سے دوسرے دروازے سے نکل گیا تھا۔اسے وہ فنکشن اٹینڈ نہیں کرنا تھا جس میں عمر کمال شامل ہو۔وہ عمر کمال کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔اور پھر امیرہ کے لاکھ کہنے پر بھی وہ شادی میں شریک نہیں ہوا تھا۔

☆......☆......☆

اس دن عمر کمال کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔تم لوگ انھیں جانتے ہو۔حبہ اپنے شوہر کے ساتھ انکے گھر دعوت پہ انوائٹ تھی جہاں موقع ملتے ہی احمر نے حبہ سے پوچھا تھا

ایمان کی بات کر رہے ہیں آپ احمر بھائی؟ وہ تو میری بیسٹ فرینڈ ہے اور عمر بھائی اسی کو ڈراپ کرنے

آئے تھے۔بڑی لاڈلی ہے ایمان انکی۔حبہ کافی باتونی تھی اور احمر کے ایک سوال پر اس نے ساری تفصیلات من و عن بتادی تھیں۔آپ عمر بھائی کو جانتے ہیں؟حبہ نے اچانک پوچھا تھا

نہیں بس ایک دو بزنس پارٹیوں میں ملاقات ہوئی ہے۔احمر نے لاپرواہی سے کہا۔

تو وہ عمر کمال کی بہن ہے۔اس نے سوچا۔اور پھر عمر سے بدلہ لینے کی پوری پلاننگ اسکے ذہن میں آ گئی۔عمر کو اسکی دھوکے بازی کا جواب صرف ایک وار میں دینے کا وقت آ گیا تھا۔عمر میں ایمان کی جان ہے یہ بات اگر احمر کو پتا نہ بھی ہوتی تب بھی کسی غیرت مند بھائی کی عزت پہ بہن کا لاپتہ ہونا کیسی کاری ضرب لگا سکتا تھا۔ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آئی۔

کچھ ہی دنوں میں اسے ایمان کا پورا شیڈول پتا چل چکا تھا جس سے اسے قدرے مایوسی ہوئی۔ایمان صرف اپنے کالج کیلئے اکیلی نکلتی۔وہ اکثر اپنے گھر والوں کے ساتھ ہوتی یا پھر اپنی دوست کے ساتھ ایسے میں اسے کسی جگہ روکنا۔۔۔۔صورتحال کافی مایوس کن تھی

وہ اسوقت اواری میں اپنے ایک دوست کے ساتھ بیٹھا ڈنر کر رہا تھا جب ایمان بلیک شیفون سوٹ میں ایک ٹیبل پہ اکیلی بیٹھی نظر آئی۔اس کا سارا دھیان اب اس لڑکی پہ تھا۔فیصل نے دو تین بار اسے ٹوکا مگر اسکا ذہن ایمان کی یہاں موجودگی میں اٹکا ہوا تھا۔اسی دوران ایک ہینڈسم سا لڑکا جو کافی سوبر ڈریسنگ میں تھا ایمان کی ٹیبل پہ کرسی کھینچتا اس کے ساتھ بیٹھا۔احمر اب ان دونوں کا مشاہدہ کر رہا تھا۔وہ لڑکا اس سے کافی باتیں کر رہا تھا لیکن ایمان کی آنکھوں کی بیزاری وہ فاصلے سے بھی دیکھ سکتا تھا۔پھر اس لڑکے نے کچھ ایسا کہا کہ ایمان کے چہرے کے رنگ بدل گئے۔اسکی آنکھوں میں شرم کی لالی آئی تھی۔احمر کو اسکا یوں شرمانا ڈسٹرب کر رہا تھا۔پھر اس لڑکے نے اسے ایک سیاہ مخمل کا کیس پکڑایا جسے دیکھ کر ایمان مسکرانے لگی۔احمر کو اس لمحے اپنا دل ہاتھوں سے نکلتا محسوس ہوا۔سیاہ لباس میں اسکی مسکراہٹ جیسے اندھیری رات میں چاندنی بکھر گئی ہو۔قریباً نو بجے وہ لوگ وہاں سے اٹھے۔ایمان کی گاڑی پارکنگ سے نکلی۔احمر نے اپنی گاڑی کا ڈیش بورڈ کمپاؤنڈ کھول کر بیہوشی کی دوا کی تصدیق کی جو اس نے کچھ دن پہلے ہی حاصل کی تھی۔

مین بلیوارڈ کی بجائے اس نے شارٹ کٹ لیا تھا۔اس غیر آباد علاقے میں ایمان کی گاڑی کو داخل ہوتے

دیکھ کر احمر کو اپنا کام اور بھی آسان نظر آیا۔اس نے تیزی سے پچھلی سڑک پہ گاڑی موڑ کر ایک ذیلی سڑک سے گاڑی دوبارہ مین سڑک پہ نکال لی۔لیکن اب اسکی گاڑی ایمان کی گاڑی سے آگے تھی اور پھر اچانک اس نے گاڑی ایمان کی گاڑی کے عین سامنے روک دی۔اپنے چہرے کو رومال سے ڈھک کر اس نے بیہوشی کی دوا والی شیشی سے دوا ٹشو پہ انڈیلی۔ایمان کافی بوکھلائی ہوئی تھی۔اس نے گاڑی سے باہر کھینچ کر ایمان کی ناک پہ تیزی سے ٹشو رکھا اور پھر چند لمحوں میں وہ بیہوش ہو چکی تھی۔اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ ایمان کو ڈال کر اس نے ایمان کی گاڑی کو روڈ سائیڈ پہ پارک کیا۔اسکا سارا سامان گاڑی میں بحفاظت لاک کر کے وہ اپنی گاڑی کی طرف آیا۔

راستے میں کال کر کے اس نے فارم ہاؤس کے چوکیدار کو جانے کا کہا۔چوکیدار کے علاوہ دو اور ملازم فارم ہاؤس کی دیکھ بھال کے لئے موجود ہوتے تھے لیکن وہ دونوں صرف دن میں وہاں آتے تھے۔احمر کے پاس فارم ہاؤس کی چابیاں تھیں اور اسوقت احمر کو فارم ہاؤس خالی چاہیے تھا۔

وہ عمر کمال کو تکلیف پہنچانا چاہتا تھا۔ایمان کی ذات کو نقصان پہنچانا اس میں شامل نہ تھا۔بیہوشی کی دوا شائد زیادہ استعمال ہو گئی تھی اسی لئے ایمان کو اگلے دن شام کو ہوش آیا تھا۔وہ بہت سہمی ہوئی تھی۔احمر کو دیکھ کر اس نے ایک دو سوال کئے اور پھر بے آواز رونے لگی۔احمر کو اس کا رونا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔اسے روتے دیکھ کر احمر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

وہ اسکے دشمن کی بہن تھی پھر بھی اسکا دل چاہ رہا تھا کہ اسکی خوبصورت آنکھوں سے گرتے موتیوں کے قطرے وہ اپنی ہتھیلی پہ جمع کر لے۔اپنی انگلی کی پوروں سے اسکے سفید گالوں پہ گرتی آبشار کو روک لے۔وہ کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

بہت دیر سسکیوں کی آواز اسے سنائی دیتی رہی۔پھر آواز آنا بند ہو گئی۔شائد وہ روتے روتے تھک کر چپ کر گئی تھی۔اس نے کمرے میں جھانکا۔وہ بیٹھی بیٹھی سو رہی تھی۔اسکا سر بیڈ کے کراؤن پہ ٹکا تھا۔آنسوؤں کی لکیریں اسکے گلابی چہرے پہ نشان چھوڑ گئیں تھیں۔اسکے ریشمی بال بکھرے ہوئے تھے۔ان میں چمکتے سونے سے جھلمل تارا اسکی رنگت پہ خوب سج رہے تھے۔بند آنکھوں پہ سیاہ گھنی پلکیں اسکے حسن کو چار چاند لگا رہی تھیں۔

سیاہ لباس میں اسکا حسن قاتل تھا۔کسی شاعر کی غزل جیسا سحر آفریں۔کسی مصور کے رنگوں سے بنا دلنشیں

اسکیچ۔ایک مجسمہ ساز کا تراشہ ہوا کرشمہ۔دل کو چھو لینے والے حسن سے مالا مال اس لڑکی سے وہ شدید محبت میں مبتلا ہو چکا تھا۔صبح کے چار بجے اسے جگا کر احمر نے واپسی کا بتایا۔بغیر کسی ردعمل کے ایمان اسکی ہر بات مان رہی تھی۔اس کی آنکھوں کی اداسی احمر کے دل کو تڑپا رہی تھی۔کیسی بے بسی تھی کہ وہ اسے اپنے دل کا حال بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔

ایمان کو اس نے بحفاظت اسکے گھر کے باہر چھوڑا تھا لیکن اپنا بہت بڑا نقصان کر لیا تھا۔اور اس سے بھی بڑا نقصان اس نے ایمان کا کیا تھا۔وہ عمر کمال سے بدلہ لینا چاہتا تھا لیکن اسکی قیمت ایمان کو چکانی پڑے گی یہ بات احمر نے نہیں سوچی تھی۔

امیرہ کو احمر کی شادی کی فکر تھی اور احمر کے دل و دماغ پہ ایمان چھائی تھی۔اس واقعہ کو چند ماہ گزر چکے تھے۔

یہ تیسرا پرپوزل ہے جو تم نے ریجیکٹ کیا ہے اب خود ہی بتا دو کون ہیں وہ محترمہ جو احمر جاوید کے دل پہ قابض ہیں۔امیرہ بے تکلفی سے گویا ہوئی تھیں۔وہ احمر کے شروع سے بہت قریب تھیں اور احمر ان سے بہت اٹیچ تھا اسی لیئے وہ جلد احمر کی اس کیفیت کو سمجھ گئی تھیں۔

کم آن ممی۔کیا یہ ضروری ہے میں نے یہ پرپوزل کسی لڑکی کی وجہ سے ہی منا کیئے ہیں۔اس نے ٹالتے ہوئے کہا۔

احمر میں تمھاری ماں ہوں اور تم اپنے دل کی بات کم از کم مجھ سے نہیں چھپا سکتے ہو۔وہ اپنے بیٹے کے مزاج سے خوب واقف تھیں۔وہ بہت سوبر اور آرٹسٹک طبیعت کا مالک تھا لیکن پچھلے دو ماہ سے اس نے جو جوگ لیا تھا وہ امیرہ کی آنکھوں سے چھپا نہیں رہا تھا۔

ٹھیک ہے میں نے تو سوچا تھا تمھاری ہیلپ کر دوں گی مگر تم خود اپنا مسئلہ حل نہ کرنا چاہو تو تمھاری مرضی۔امیرہ نے کندھے اچکاتے ہوئے اٹھنے کا ارادہ کیا۔

ممی۔۔۔۔۔احمر نے انکا ہاتھ پکڑ کر روکا۔

آپ توفیق کمال کو جانتی ہیں۔میرا مطلب انکی بیٹی ایمان سے کبھی ملی ہیں آپ؟ احمر نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

بہت اچھی طرح۔ اکثر ملنا ہوتا ہے حرا اور توفیق صاحب سے تو۔ کہیں تم ایمان میں انٹرسٹڈ تو نہیں۔ بات کرتے کرتے اچانک انکا ذہن احمر کی بات پہ گیا۔

جی۔ آپ کو کیسی لگتی ہے وہ۔ احمر نے مسکراتے ہوئے کہا

بچی تو بہت پیاری ہے میں نے چند ماہ پہلے دیکھا تھا اسے حبہ کی شادی میں۔ وہ کم ہی آتی ہے گیدرنگز میں لیکن کیا تم نہیں جانتے وہ تو انگیجڈ ہے۔ میرا مطلب اسکا نکاح کافی کم عمری میں سکندر ملک کے بیٹے جہانزیب سے ہو چکا ہے اور شائد پچھلے دنوں ان کی شادی کا ذکر بھی سننے میں آ رہا تھا۔ امیرہ نے تفصیلاً بتایا۔

اچانک احمر کو اواری میں اسکے ساتھ ڈنر کرتا وہ اسمارٹ بندہ یاد آیا۔ اس کی آنکھوں میں جھلکتی بیزاری اور پھر دھنک کے ساتھ رنگ۔ احمر نے سوچا۔

زندگی ایک ایمان پہ تو ختم نہیں ہوتی نہ میری جان۔ اس سے بہت اچھی لڑکیاں بھی ہیں۔ تم کہو تو۔۔۔۔۔۔ امیرہ کی بات نامکمل تھی کہ احمر بولا

ممی پلیز۔۔۔۔ہم اس ٹاپک پہ پھر کبھی بات کریں گے۔ انکی بات کاٹ کر قطعیت سے کہا۔

امیرہ خاموشی سے اسکے کمرے سے نکل آئیں تھیں۔

☆......☆......☆

اس دن جم خانہ میں مسٹر اینڈ مسز جاوید ایک پارٹی میں گئے تھے اور واپسی پہ احمر کو لونگ روم میں بیٹھا دیکھ کر وہ دونوں بھی اسکے ساتھ بیٹھ گئے۔

پارٹی کی ڈسکشن ہو رہی تھی اور اب موضوع گفتگو سکندر ملک کی فیملی تھی۔

طیبہ بتا رہی تھیں ایمان اور جہانزیب میں علیحدگی ہو چکی ہے اور وہ آجکل جہانزیب کے لئے لڑکی ڈھونڈ رہی ہیں۔ امیرہ نے انکشاف کیا۔

ویری اسٹرینج۔ اتنے سال پرانی دوستی اور پھر توفیق کمال کی بیٹی سے جہانزیب کا رشتہ تو بہت سال پہلے طے ہو چکا تھا۔ پورا شہر واقف ہے اس بات سے تو۔ جاوید صاحب کافی حیران ہوئے۔ ویسے بڑی پیاری بچی ہے توفیق کی میں نے دیکھا تھا اسے حبہ کی شادی میں۔ جاوید صاحب کچھ سوچ کر بولے۔

آپ کے خیال میں کیا وجہ ہوگی ایسے گھر بیٹھے طلاق لینے کی۔ امیرہ بہرحال خاتون تھیں اور اپنے فطری تجسس سے مجبور بھی۔

ہم کیا کہہ سکتے ہیں بھئی۔ یہ ان کا بے حد ذاتی معاملہ ہے۔ جاوید صاحب نے امیرہ کو اس ٹاپک کو ختم کرنے کا اشارہ دیا تھا۔ اب وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔ امیرہ بھی ان کے پیچھے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اور احمر جانتا تھا ایمان کی زندگی میں ایسا کیا ہوا ہے جو اتنا پرانا رشتہ شادی کی بجائے طلاق کی طرف مڑ گیا۔

ہرگز نہیں احمر۔ تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو۔ امیرہ نے سختی سے کہا

احمر نے ابھی ان سے ایمان سے شادی کے لئے کہا تھا۔ اور انکا پارہ چڑھ گیا تھا۔

ممی نے ایسا کیا کہہ دیا ہے میں نے جو آپ اتنے غصے میں ہیں۔ احمر نے احتجاج کیا تھا۔

یہ تو افسوس ہے تم جانتے ہوئے بھی انجان بن رہے ہو۔ چند ماہ پہلے طلاق ہو چکی ہے اسے اور کسی کو خبر بھی نہیں اندر خانے مسئلہ کیا تھا۔ اور تم چاہتے ہو میں اس لڑکی کو اپنے گھر کی بہو بنا لاؤں۔

آپ نہیں جانتیں مگر میں جانتا ہوں کہ ایسا کیا ہوا ہوگا جو رخصتی سے پہلے انکی علیحدگی ہوگئی۔ احمر نے تاسف سے کہا۔

کہیں تم اور ایمان۔۔۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے تمھاری وجہ سے تو ایمان نے رشتہ ختم نہیں کیا۔ امیرہ نے پریشانی سے کہا۔

جیسا آپ سمجھ رہی ہیں ویسا کچھ نہیں ہے ممی۔ لیکن ہاں میری وجہ سے ہی انکی علیحدگی ہوئی ہے۔ اس نے نفی میں سر ہلاتے کہا اور پھر احمر نے ساری بات امیرہ کو بتا دی تھی۔ جس دن سے اس نے ایمان اور جہانزیب کی علیحدگی کا سنا تھا اس کا پچھتاوا اور بڑھ گیا تھا۔

امیرہ سب کچھ جان کر دنگ رہ گئی تھیں۔ انکا بیٹا تو بہت سلجھا ہوا اور تحمل مزاج تھا اس سے ایسی مجرمانہ حرکت کی توقع اور اتنا غصہ۔ وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ جو غلط کر چکا تھا اس پہ افسوس کرنے کے بجائے اب انہیں وہ سب ٹھیک کرنا تھا جو اسکی وجہ سے غلط ہوا تھا۔

☆......☆......☆

جاوید آپ کا ایمان کمال کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آج امیرہ نے جاوید حسن سے بات کی تھی۔ احمر کے انکشاف کے بعد اب وہ بھی ایمان کے لئے احمر کا رشتہ لے جانے پہ غور کر رہی تھیں لیکن اس کے لئے جاوید حسن کی رضامندی ضروری تھی۔

اچھی بچی ہے ماشاءاللہ کیوٹ سی۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو۔ امیرہ کی اس بے موقع بات پہ وہ حیران تھے۔

اگر ہم احمر کے لئے ایمان کے رشتے کی بات چلائیں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔ انہوں نے اٹکتے ہوئے کہا۔

میرا خیال ہے مجھ سے زیادہ اعتراض تمھیں ہوگا۔ جاوید حسن نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

جاوید دراصل احمر ایمان کو پسند کرتا ہے۔ امیرہ نے اصل بات کہی۔

اوہ۔۔۔۔۔ تو برخوردار کو اپنے لئے آخر لڑکی پسند آ ہی گئی۔ جاوید صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

بھئی بیگم صاحبہ۔۔۔ مجھے کیا اعتراض ہوگا۔ توفیق کمال ہیرا آدمی ہے۔ اور ایمان دیکھی بھالی بچی ہے۔ یہ حادثہ نہ ہوتا تو آج ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ توفیق کمال کے دروازے پہ سوال لئے کھڑا ہوتا۔ جاوید حسن نے تاسف سے کہا۔

پھر اب کیا کرنا ہے؟ امیرہ نے اگلا لائحہ عمل پوچھا

حرا بھابھی کو فون کر کے کہہ دو اس ویک اینڈ چلتے ہیں انکی طرف۔ جاوید صاحب نے رضامندی دی۔

لیکن اس سے پہلے ہی حرا انہیں پی سی کی لابی سے نکلتی نظر آ ئیں تھیں۔ ایمان بھی انکے ساتھ تھی اور وہ جو اپنی فیملی کے ساتھ لنچ پہ آئی ہوئی تھیں سب کو بتائے بغیر حرا کی طرف لپکی تھیں۔ باتوں باتوں میں انھوں نے اپنے ان کے گھر آنے کا ذکر بھی کر دیا تھا۔

صرف پندرہ دن میں احمر اور ایمان کی شادی ہوگئی تھی۔ دونوں خاندانوں کو یہ رشتہ قبول تھا اور خوشی کے شادیانے بج رہے تھے۔ احمر کا عمر سے دس سال بعد سامنا ہوا تھا لیکن اس موقع پہ ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے کوئی رنجش نہیں تھی کیونکہ ان دونوں میں ایک قدر مشترک تھی۔۔۔۔۔ ایمان۔ ان دونوں کے دل میں ایمان کے لئے جذبات مشترک تھے۔ سچی محبت

ایمان کو پالینا اتنا سہل تھا۔احمر کو یقین ہی نہیں آرہا تھا۔خوشی کے رنگ اسکے چہرے پہ چھپائے نہ چھپتے تھے۔شیراز اسکے بلش ہوتے چہرے کو دیکھ کر انجوائے کر رہا تھا۔

ایمان کے لئے ڈائمنڈ رنگ خریدتے ہوئے اسکی نازک انگلیاں احمر کو یاد آئیں تھیں۔ایمان کی وہ کن لفظوں میں تعریف کرے گا۔اپنی داستان الفت اسے کیسے سنائے گا۔اور اسکی ان باتوں پہ وہ کیسے ری ایکٹ کرے گی۔وہ سوچ سوچ کر مسکرا رہا تھا۔اتنی باتیں سوچیں تھیں اس نے اور ایک بات جو نہیں سوچی تھی آج رات وہ ہوگئی تھی۔ایمان اسے پہچان گئی تھی۔وہ راز جس سے اسکے والدین کے سوا کوئی دوسرا واقف نہ تھا اور جس راز کو وہ ایمان کو بھی بتانا نہیں چاہتا تھا۔۔۔وہ بات ایمان کو معلوم تھی۔

پچھلے دو گھنٹے سے ٹیرس میں بیٹھا وہ بیسیوں سگریٹ پھونک چکا تھا۔ایمان کی سسکیاں اس کے کانوں میں پگھلے سیسے کی طرح جا رہی تھی۔

فجر کے وقت احمر کمرے میں آیا تو ایمان نڈھال پڑی تھی۔اسکا چہرہ بخار سے سرخ تھا۔اسکے تپتے ماتھے کو احمر نے چھوا اور پھر اسے بمشکل بخار کی دوائی دے کر سلایا تھا۔اگلے چند گھنٹوں میں اسکا بخار اتر چکا تھا مگر بے بسی نے احمر کو جکڑ لیا تھا۔

میں اپنے کئے پر شرمندہ ہوں ایمان، تمھارا اس سب میں کوئی قصور نہ تھا۔احمر نے تاسف سے کہا

پچھلے ایک ہفتے میں ان دونوں کے درمیان ہونے والی شائد یہ پہلی بات تھی۔

ایمان نے سوالیہ نظروں سے احمر کو دیکھا۔

کیا اس بند کمرے میں میرے کردار پہ اٹھے سوال پلٹ جائیں گے؟ کیا میرے پیرنٹس اس رسوائی کو بھول پائیں گے؟ ایمان نے تلخی سے کہا۔

میں پاک دامن تھی مگر رسوائی میرا مقدر ٹھہری اور آپ گنہگار ہو کر بھی معتبر بنے رہے۔

ایمان نے زخمی نظروں سے احمر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اور یہ سچ تھا احمر کے پاس اسکی کسی بات کا جواب نہیں تھا۔

احمر کو لگتا تھا وہ اپنے دل کی بات ایمان کو کبھی نہیں کہہ سکے گا۔

ایمان مجھے افسوس ہے۔میں نے اس نہج پہ نہیں سوچا تھا۔احمر نے پچھتاوے سے کہا

احمر میں نے اپنے ڈیڈا کی بے بسی اور انکا جھکا سر دیکھا ہے۔چور نظروں سے وہ سکندر انکل کو میرے لاپتہ ہونے کی صفائیاں دے رہے تھے۔میں نے انہیں کبھی اتنا کمزور نہیں دیکھا تھا۔میری وجہ سے ان کے کندھے جھک گئے۔آنسوؤں کی لڑیاں اب اسکے رخساروں پہ در آئیں تھیں۔

مجھ سے انکا جھکا سر اور آنکھوں کی شرمندگی نہیں دیکھی گئی تھی۔میں نے پہلی بار انکے کسی فیصلے کو رد کیا۔میں نے خود جہانزیب سے خلع لیا۔میں اپنے ڈیڈا کو کسی کے آگے جھکتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اپنے ہاتھ کی پشت سے اپنے بھیگے رخساروں کو صاف کرتے ہوئے ایمان نے کہا۔

احمر کو ایمان کی اس بات نے حیران کر دیا تھا۔اس سے پہلے وہ یہی سمجھ رہا تھا جہانزیب نے بدگمانی میں ایمان کو طلاق دی ہے۔

☆......☆......☆

پچھلے دس منٹ سے بیڈ کی دیوار پہ نظریں جمائے وہ پینٹنگ کو دیکھ رہی تھی۔پینٹنگ میں محو ایمان کو اسکی پشت پہ کھڑا احمر بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

Under A Gas Jet.

The SkyIsAqua Marine,The Water Is Royal Blue,and the GroundIs Mauve.

The Town Is Blue And Purple.

The gasis yellow and the reflections are russet gold.

Descendingdown to Green-Bronze on the Aqua-Marine field of the Sky.

Two colorful figures of lovers in the foreground.

وہ پیچھے کھڑا وان گوگ کے خط کا متن اسے سنا رہا تھا جو اس نے اس پینٹنگ کے متعلق لکھا تھا۔ایمان نے

پیچھے مڑ کر مسکراتی نظروں سے احمر کو دیکھا۔وہ بھی مسکرانے لگا۔

ایمان کے لئے احمر کے گھر میں وہی دلچسپیاں تھیں جو اسکے اپنے گھر میں تھیں۔اس کمرے میں اسے اپنے کمرے کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔فرنچ ونڈو سے لان پہ نظر پڑتی تو اپنے کمرے سے اپنے لان کا منظر یاد آتا۔ احمر کی میوزک کلیکشن اور لائبریری ایمان کو حیران کرتی تھی۔

احمر اور ایمان کی پسند میں حیرت انگیز مماثلت تھی۔اسکی آنکھوں کے بعد یہ وہ دوسری بات تھی جو ایمان کے دل میں احمر کے لئے کشش کا باعث تھی۔لیکن ان باتوں کا اظہار احمر سے کرنا جس نے اس پہ ترس کھا کر اور اپنی غلطی کو سدھارنے کیلیے اس سے شادی کی تھی۔ان باتوں سے احمر کو بھلا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔اس نے تو ایمان پہ احسان عظیم کیا تھا۔اپنی غلطی کا ازالہ کیا تھا اور اپنے پچھتاوں کو کم کرنے کیلیے اس نے ایمان کو اپنی زندگی میں شامل کیا تھا۔ ایمان اپنی بے بسی پہ مسکرا دیتی۔

لیکن آخر احمر نے مجھے اغواء کیا ہی کیوں تھا۔وہ اکثر سوچتی۔

احمر کا زیادہ وقت آفس اور فیکٹری میں گزرتا اور ایمان کو یہ سب غنیمت لگتا۔اسے احمر کو سامنے دیکھ کر ہمیشہ لگتا کہیں اسکی بے خودی اسکے چہرے سے عیاں نہ ہو جائے۔

☆......☆......☆

آج دوپہر احمر، توفیق کمال کے آفس آیا تھا جہاں اس نے اقبال جرم کیا تھا کہ اپنے اور عمر کے اختلافات سے خائف ہو کر اس نے ایمان کو اس رات اغواء کر لیا تھا۔وہ اپنے کیئے پر شرمندہ تھا اور توفیق کمال سے معذرت کر رہا تھا۔توفیق کمال اور احمر کی باتیں عمر سن چکا تھا اور اب توفیق کمال کے سامنے بیٹھا تھا جو اس سے پوچھ رہے تھے کہ ایسے کونسے اختلافات تھے جس نے احمر جیسے بردبار انسان کو اس مجرمانہ کارروائی کیلیے اکسایا۔جسکا خمیازہ ایمان نے بھگتا اور عمر کمال سوچ رہا تھا کاش وہ اپنی حریص فطرت پہ قابو رکھتا تو آج اسکے خاندان کو وہ سب نہ دیکھنا پڑتا جو انہوں نے پچھلے چند ماہ میں فیس کیا۔

آج یوم حساب تھا۔عمر اپنا تجزیہ کرنے بیٹھا تو ضمیر کے آئینے میں کتنا بھیانک چہرہ ابھرا تھا۔

اسکول کے وہ دو بہترین دوست۔۔۔۔یا پھر عمر کا بہترین دوست احمر اور عمر۔۔۔۔احمر کا بدترین دشمن۔کب

ان دونوں کی دوستی رقابت میں بدلی عمر کو پتا ہی نہیں چلا تھا۔ پڑھائی میں عمر کسی طرح احمر سے کم نہ تھا مگر کچھ تھا احمر میں جو وہ ہر جگہ بازی لے جاتا تھا۔ اسکی تخلیقی صلاحیتیں بہر صورت عمر سے منفرد تھیں۔ اسکی اسائنمنٹ، اسکے آئیڈیاز اتنے الگ ہوتے کہ اساتذہ کی ستائش احمر کے حصے میں آتی۔ عمر کو یہ سب اچھا نہ لگتا۔ آہستہ آہستہ یہ جذبہ نفرت میں بدل گیا تھا۔ اور پھر اس نے احمر کے کام بگاڑنا شروع کر دیئے۔ احمر اس سے ڈسکس کرتا، اپنا دوست سمجھ کے اپنی باتیں شیئر کرتا اور وہ اسکو کاپی کر لیتا۔ یوں اسکا مقصد صرف احمر کا کام بگاڑنا ہوتا۔ لیکن احمر نے کبھی اس سے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا۔ اس میں درگزر بہت تھی۔ وہ سب بھول کر عمر کے ساتھ پہلے جیسی دوستی قائم رکھتا اور عمر کو احمر کا یہ انداز اور چڑا جاتا۔ اس دن ڈرامہ آڈیشن میں احمر کے آنے کا مطلب مین کریکٹر اس کا تھا اور عمر کو ہر حال میں اس پلے میں لیڈ رول لینا تھا۔ اسے معلوم تھا اسکول کی ڈرامیٹک سوسائٹی کے قوانین سخت ہیں اور احمر کیلیے بھی ان میں کوئی گنجائش نہیں ہو سکے گی۔ جھوٹ بول کر اس نے احمر سے اس دن وہ لیڈ رول چھین لیا تھا مگر اپنا سب سے بہترین دوست وہ ہمیشہ کیلیے گنوا چکا تھا۔

اس واقعے کے بعد احمر نے عمر سے کبھی بات نہیں کی تھی یہاں تک کہ اس نے جلد ہی اسکول چھوڑ دیا تھا۔ سننے میں آیا وہ یورپ چلا گیا ہے۔ لیکن عمر کو اس کی چنداں پرواہ نہ تھی۔ بلکہ دل کے کسی کونے میں احمر کا سامنا کرتے جو جھجک محسوس ہوتی تھی اب اس سے بھی نجات مل گئی تھی۔ عمر نے احمر کو بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھول گیا تھا کبھی احمر جاوید اسکا دوست تھا۔ لیکن اتنے سالوں بعد ایک بار پھر اسکا سامنا احمر سے ہو گیا تھا۔ ایک بار پھر احمر اسکے راستے میں آ گیا تھا۔ وہ ان دنوں اپنے لیئے نئی فیکٹری پلان کر رہا تھا۔ توفیق کمال نے اسے پوری آزادی دی تھی کہ وہ اس معاملے میں سرمائے کی پرواہ کیے بغیر اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرے۔ اس سے پہلے وہ لوگ ڈیزائنر لان مارکیٹ میں سپلائی کر رہے تھے لیکن عمر چاہتا تھا کہ الگ یونٹ میں کڑھائی اور چکن کی نئی برانڈ تیار ہو اور جلد ہی اسے مارکیٹ میں متعارف کرایا جائے۔ زمین وہ پسند کر چکا تھا اور اسکی لوکیشن اور رقبہ عمر کی فیکٹری کیلیے آئیڈیل تھا مگر اسے پراپرٹی ڈیلر نے اسے اس زمین کے سودے کی اڑتی اڑتی خبر دی تھی۔ اپنے پراجیکٹ کے پہلے مرحلے میں ناکامی۔۔۔۔ عمر کو یہ ناکامی منظور نہ تھی۔ وہ تقدیر کو تدبیر سے بدلنے کا قائل تھا۔ اپنے ذرائع سے وہ مالکان کا پتا لگا چکا تھا اور اب تو اسے یہ بھی پتا چل چکا تھا کے خریدار احمر جاوید ہے۔ اتنے

سالوں بعد ایک بار پھر احمر جاوید اسے ہرانے آ گیا تھا اور اس بار بھی اسے احمر سے ہارنا نہیں تھا۔ احسن قریشی کسی زمانے میں اسکا کالج فیلو تھا، یہ پراپرٹی انہی کی تھی اور اب وقت تھا ان تعلقات کے صحیح استعمال کا۔ حالانکہ اسکے والد ٹوکن لینے کے بعد اس سودے کی واپسی کے لیئے تیار نہ تھے اور توفیق کمال نے بھی عمر کو سختی سے منع کیا تھا کہ وہ اس سودے میں اپنی ٹانگ نہ پھنسائے لیکن عمر کیلیے یہ ڈیل اب جنگ میں بدل چکی تھی۔ اس نے احسن قریشی کو شیشے میں اتار لیا تھا اور پھر زمین کی زیادہ قیمت کے ساتھ اپنی نئی فیکٹری میں شیئرز کی آفر کر کے وہ اس جنگ کا فیصلہ اپنے حق میں کروا چکا تھا۔ انا کی جنگ کا نتیجہ اس نے اپنے حق میں کروا کر سوچا تھا بازی وہ جیت چکا ہے مگر یہ اسکی غلط فہمی۔ فیصلہ ہونا ابھی باقی تھا۔ اور وہ فیصلہ اتنا بھیانک ہوگا اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

ابھی ابھی وہ احمر سے ملنے آیا تھا اور اپنے تمام رویوں کی معافی مانگ رہا تھا۔ وہ دونوں اسوقت احمر کی اسٹڈی میں بیٹھے تھے۔

مجھے معاف کر دینا احمر۔ میری حاسدانہ فطرت نے مجھ سے میرے بہترین دوست کو جدا کر دیا اور میری غلطیوں کی سزا میری جان سے عزیز بہن نے بھگتی۔ آج جب اپنا احتساب کیا تھا تو اقبال جرم میں کیسی شرم۔ عمر کمال کے ضمیر کی ملامت نے اسے احمر کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

نہیں دوست شرمندہ تو میں ہوں۔ اتنا بڑا قدم اٹھا لیا میں نے، شائد اسی لئے غصے کو حرام قرار دیا گیا کہ یہ انسان کی ہر اچھائی پہ حاوی ہو جاتا ہے۔ میرے ایک غلط قدم کا خسارہ تمھارے پورے خاندان نے بھگتا۔ احمر نے تاسف سے کہا۔ شائد آج پچھتاوں کا دن تھا۔

تم کیوں شرمندہ ہو احمر؟ تم نے تو آج بھی اپنا بڑا پن ثابت کیا ہے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ میری بہن سے شادی کر کے تم نے ہم پہ جو احسان کیا ہے اس کے لئے میں تمھارا شکر گزار ہوں۔ عمر نے جذباتی ہو کر کہا۔

احسان؟

کفارہ؟

نہیں عمر کمال۔ میں نے کوئی احسان نہیں کیا ہے اور نہ ہی اپنی غلطی کا ازالہ کیا ہے۔ ایمان سے شادی میں

نے کسی پچھتاوے یا افسوس میں آ کر نہیں بلکہ میں ایمان سے شدید محبت کرتا ہوں۔اس دن جب میں نے ایمان کو روتے دیکھا تو اسوقت اپنے جذبوں کو میں کوئی نام نہیں دے سکا تھا مگر پھر مجھے احساس ہوا میں ایمان کو چاہنے لگا ہوں۔میں نے ممی کو ایمان کے لیئے پرپوزل لیجانے کا کہا بھی تھا مگر انہوں نے بتایا کہ ایمان تو کافی سالوں سے جہانزیب سے منسوب ہے۔میں اپنی خواہش سے دستبردار ہو گیا لیکن جب میں نے یہ سنا کہ ایمان اور جہانزیب کی علیحدگی ہو چکی ہے تو میں خود کو روک نہیں پایا۔احمر روانی میں عمر سے کہہ رہا تھا

میری مانو خوش قسمت ہے جسے تم جیسا بہترین محبت کرنے والا ہمسفر ملا ہے۔عمر نے اسکا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

مانو؟ احمر نے نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

اوہ ہاں۔میں ایمان کو پیار سے مانو کہتا ہوں۔یہ بات بتاتے عمر کی آنکھوں میں محبت کے رنگ نمایاں تھے۔

سویٹ نیم۔احمر نے ہنستے ہوئے کہا۔

اور عمر کے آنے کی خبر پا کر اسٹڈی کا دروازہ کھولتی ایمان ان دونوں کی باتیں سن کر الٹے قدموں لوٹ گئی تھی۔

احمر کے لفظوں نے کتنا حسین انکشاف کیا تھا۔وہ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ احمر نے پچھتاوے میں اس سے شادی کی ہے۔اس پہ ترس کھا کر اسے اپنایا ہے۔وہ جو پور پور اسکے عشق میں ڈوبی تھی آج یہ جان کر وہ دل کے اس سفر میں تنہا نہیں اس نے دل میں سکون اترتا محسوس کیا تھا۔احمر کے جذبے احسان نہیں، محبت تھے۔احمر کو کیا پتا ایمان اسے کتنا چاہتی تھی۔اسکی آنکھوں کے عشق میں کتنا تڑپی تھی وہ۔اسکے سپنوں نے اسے کتنا رلایا تھا۔وہ ایمان کی دھڑکنوں میں شامل تھا اور آج وہ کہہ رہا تھا اسے ایمان سے محبت ہے۔

لیکن یہ بات میں احمر سے کیسے کہوں؟ میں تو اس سے نظر ملا کے بات بھی نہیں کر پاتی ہے۔اس نے سوچا۔

☆......☆......☆

رائل بلیو اور کاسنی رنگ کا گھیر دار انگرکھا۔اس پہ گولڈن نفیس کام۔ٹخنوں تک آتی قمیض کے ساتھ نیلا شرارہ پہنے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنی تیاری کو فائینل ٹچ دے رہی تھی۔اپنی راج ہنس جیسی گردن میں گولڈ

کا قیمتی نیکلس پہننے کے بعد اس نے ایک بھرپور نگاہ خود پہ ڈالی۔ مناسب میک اپ میں اسکا سراپا کیا خوب لگ رہا تھا۔ مگر اگلے ہی پل اس نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ آئینے میں اسکے عکس کے ساتھ احمر بھی تھا۔

ایمان کو وارفتہ نگاہوں سے دیکھتا وہ اسکے پیچھے کھڑا تھا ایمان کے دل میں ہلچل مچا رہا تھا۔ آئینے میں بھی وہ اسکی آنکھوں میں دیکھنے سے کترا گئی۔

احمر کے کزن ایان کی شادی تھی اور وہ دونوں اسی شادی میں شرکت کے لئے جا رہے تھے۔ امیرہ اور جاوید حسن تو پہلے ہی شیراز کے ساتھ جا چکے تھے اور اب احمر، ایمان کو لے کر وہاں جانے والا تھا۔

تم نے چوری کب سیکھی؟

آئینے میں ایمان کو دیکھتے، بازو سینے پہ باندھے استحقاق بھری نظروں سے دیکھتا اسکے اتنے قریب تھا کہ اگر وہ پیچھے مڑتی تو اسکا سر اس کے سینے سے جا ٹکراتا۔ وہ پیچھے نہیں مڑی تھی۔ اس نے آئینے میں سوالیہ نگاہوں سے احمر کے عکس کو دیکھا۔

پہلے میرا دل چرا لیا اور آج میری پسندیدہ پینٹنگ کے سب رنگ اس حسین سراپے میں قید کر لئے ہیں۔ دیکھو تو سٹاری نائٹ کیسی پھیکی لگ رہی ہے۔ احمر نے دیوار پہ لگے فریم کی طرف اشارہ کرتے شرارت سے کہا۔

دل کی دھڑکنوں میں کہیں اتھل پتھل ہوئی تھی۔ الفاظ تھے کہ جادو ایمان کو لگا اس سے پہلے اسے کسی نے اتنے حسین لفظوں میں نہیں سراہا تھا۔ پلکوں کی جالیاں گرائے وہ ہولے سے مسکرائی اور احمر کو اس مسکراہٹ میں بہار کے سب رنگ نظر آئے تھے۔

رنگ میرے جیون میں تم نے بھرے سجنا

مانگ بھری تاروں سے پھولوں بھرا انگنا

گاڑی میں مدھم آواز میں سی ڈی پلیئر پہ گیت بج رہا تھا اور ایمان کے دل میں جلترنگ ہو رہی تھی۔

پریت کی اک ڈوری سے تم نے مجھے باندھا

ڈور کبھی ٹوٹے نہ چھوٹے کبھی سنگ نہ

احمر کا ہاتھ سی ڈی پلیئر کی طرف بڑھا تھا۔ ایمان نے فوراً اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔

اسے لگا احمر گانا بدلنے لگا ہے حالانکہ وہ آواز بڑھانا چاہتا تھا۔

یہ گھر ہے تمھارا، تم دل میں ہی رہنا۔

ایمان کی آنکھوں میں دیکھتے احمر نے اپنا ہاتھ سی ڈی پلیئر سے ہٹا لیا۔

ایک بات پوچھوں ایمان۔۔۔۔ سچ بولو گی۔ ڈرائیو کرتے احمر نے اچانک کہا۔

اسکی نظریں سامنے تھیں اور وہ پوری توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

جی۔ ایمان نے رخ موڑ کر کہا۔

تمھیں مجھ سے محبت ہے؟ احمر نے کیسا سیدھا سوال کیا تھا۔

تمہیں کیا لگتا ہے۔ ایمان نے سادگی سے کہا۔ وہ اسوقت اپنے ناخنوں پہ لگی کو ٹیکس کو دیکھ رہی تھی۔

مجھے لگتا ہے تم بھی مجھے پسند کرتی ہو۔ احمر نے کہا۔ اسکی نگاہیں اب بھی سامنے تھیں

ٹھیک لگتا ہے۔ ایمان مختصراً بولی۔ دھیان اب بھی ہاتھوں پہ تھا۔

اچھا یہ بتاؤ تم مجھے دیکھ کر اس دن اتنا رو کیوں رہی تھی؟ کیا تمھیں مجھ سے خوف آ رہا تھا۔ احمر نے اس رات کے حوالے سے پوچھا۔

تمھیں نہیں میں تمہاری آنکھوں کو دیکھ کر رو رہی تھی۔ ایمان نے گردن موڑ کر بائیں بیٹھے احمر کو دیکھا

کیا اتنی خوفناک آنکھیں ہیں میری کہ تم ڈر کر رونے لگی۔ احمر نے مسکراتے ہوئے ایمان کی بات سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

نہیں۔ ایمان نے سر ہلایا۔ اتنی پرکشش آنکھیں ہیں تمہاری کہ میں خود سے ڈر گئی تھی۔ ایمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

رئیلی؟ اور تم پہ یہ انکشاف اس اغواء والی رات ہوا۔ تم اپنے اغواء سے خوفزدہ ہونے کے بجائے میری آنکھوں سے امپریس ہو رہی تھی۔ احمر نے برجستہ کہا۔

یہ انکشاف تو مجھ پہ بہت پہلے ہو چکا تھا احمر۔ اسوقت جب میں تم سے کبھی ملی بھی نہیں تھی۔ جب پہلی بار میں نے تمھاری آنکھیں اپنے خواب میں دیکھیں تھیں۔ مجھے تو تب ہی پتا چلا گیا تھا کہ میں تمھاری آنکھوں سے عشق

کرتی ہوں۔ایمان نے اعتماد سے کہا

احمر نے چونک کر اسے دیکھا۔

میں پچھلے ایک سال سے ایک خواب اکثر دیکھ رہی تھی جس میں تمھاری آنکھیں، پیشانی اور اس پہ بکھرے بال مجھے واضح نظر آتے تھے۔تم اسے میری فینٹیسی سمجھو، میرا آئیڈئلزم یا پھر میری چھٹی حس۔لیکن مجھے اپنا یہ خواب کبھی خواب نہیں لگا تھا۔مجھے خواب یاد نہیں رہتے۔اس خواب سے پہلے اور اسکے بعد میں نے کوئی بھی خواب اتنی جزئیات سے یاد نہیں رکھا۔نہ ہو مجھے یاد ہے میں نے کوئی خواب کبھی دوبارہ دیکھا ہو۔مجھے خواب میں تمھاری آنکھیں دیکھنا اچھا لگتا تھا۔میں کب تم سے محبت کرنے لگی میں نہیں جانتی مگر اس رات جب میں نے تمہیں اپنے سامنے دیکھا تو ایک لمحے میں تمہاری آنکھوں کو پہچان لیا تھا۔یہ آنکھیں میرا عشق خاص ہیں۔انہیں میں کیسے فراموش کر دیتی۔اس رات میں نے یہ تو سوچا ہی نہیں تم ہو کون۔میں تو بس اس لئے رو رہی تھی کہ میرا خواب حقیقت بن کر سامنے بیٹھا ہے اور میں کتنی بے بس ہوں جو نہ اسے پا سکتی ہوں نہ ہی بتا سکتی ہوں۔ایمان نے شروع سے آخر تک سب کہہ دیا تھا۔

اور میں اب تک حیران تھا تم نے مجھے شادی کی رات پہچانا کیسے۔احمر نے مسکراتے ہوئے کہا اور اسکا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا۔

تم نے مجھے معاف کر دیا نہ ایمان؟احمر اس سے پوچھ رہا تھا

میرے دل میں اپنے لئے تو تم سے کوئی گلہ تھا ہی نہیں احمر۔میں تو اپنی فیملی کی وجہ سے ڈسٹرب تھی مگر تم نے ڈیڈا اور عمر بھائی کو سب بتا کر میرا یہ گلہ بھی ختم کر دیا۔ایمان نے اپنے ہاتھ کو احمر کے ہاتھ میں دیکھ کر کہا۔وہ چاہتی تھی احمر یہ ہاتھ کبھی نہ چھوڑے۔

☆......☆......☆

سبزے کے قالینوں میں گھری سرمئی پتھروں سے بنی عالیشان عمارت۔وسیع دالانوں سے گزرتے سیڑھیاں چڑھ کر وہ دونوں رنگوں میں بھیگے نمائشی ہال میں داخل ہوئے۔ہال کی دیواروں پہ آبنوسی قدیم طرز کے دیدہ زیب فریموں میں جڑی رنگین پینٹنگز۔ونسنٹ وان گوگ کے شاہکار انکی آنکھوں کے سامنے تھے۔

یہ انکے ہنی مون کے آخری دو دن تھے اور آج وہ دونوں ایمسٹرڈیم میں تھے۔اپنے وعدے کے مطابق احمر اسے وان گوگ میوزیم دکھانے لایا تھا۔وان گوگ ایمان اور احمر کا پسندیدہ مصور تھا اور مشہور زمانہ استاری نائٹ کا پوٹریٹ دیکھنا اور یہاں میوزیم میں اسکی اصل دیکھنا بالکل منفرد تجربہ تھا۔گیس لیمپوں کی روشنی میں دمکتا نیلگوں آسمان۔دریائے رھون کا نیلا کانچ پانی، کاسنی زمین اور دریائے رھون کے مغربی کنارے پہ کھڑے رنگوں میں بھیگے دو نفوس۔محبت کرنے والوں کی شبیہہ۔

اس پینٹنگ کی نقل احمر اور ایمان کے بیڈروم میں تھی اور اصل اس میوزیم میں۔لیکن اس میوزیم میں موجود سارے رنگ محبت کے ان رنگوں سے ہلکے تھے جن سے ایمان اور احمر کے وجود بنے تھے۔

http://sohnidigest.com سوہنی ڈائجسٹ